ماہنامہ

ہمدرد

نونہال

اپریل ۱۹۸۶ء

روح افزا کا منفرد مقام
محنت و مہارت کا انعام
روح افزا
مشروب مشرق

ہمدرد
ہم خدمت خلق کرتے ہیں

منفرد خوبیوں اور خواص کا حامل مشروب مشرق روح افزا تیار کرنے کا ہنر صرف ہمدرد کے پاس ہے۔

دوسرے مشروبات کا رنگ تو سُرخ ہو سکتا ہے لیکن وہ بہ لحاظ ذائقہ، خوشبو اور تاثیر روح افزا کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ صرف رُوح افزا ہی رُوح افزا ہے۔

آوازِ اخلاق
بدزبانی ذہن کا سرطان ہے

Adarts/84

جہاں چلے ، رواں چلے

شاہ سنز کی نئی گولڈفنش آٹوکریٹ پینسل

پینسل کی کہانی
خود اس کی زبانی

پیارے بچّو ! کیاآپ کومعلوم ہے کہ مجھے سب سے پہلے کس نےاور کب تیار کیا؟ ۱۷۹۵ء کی بات ہے۔ ایک فرانیسی باشندے نے سب سے پہلے میرا سکہ دریافت کیا۔ اس سکے میں گریفائٹ اور کلے کا محلول شامل ہوتا ہے جسے گرم بھٹی میں ایک ہزار فارن ہائٹ کے درجہ حرارت پر گرم کیا جاتا ہے۔ اس گریفائٹ میں کاربن کی مقدار ۹۰ فیصد ہوتی ہے جبکہ کلے اسے مضبوطی سے جوڑنے کے لیئے استعمال ہوتی ہے۔ رنگین پینسلوں میں موم، تیل اور مختلف رنگ شامل کئے جاتے ہیں پینسلوں میں استعمال ہونیوالی لکڑی کیلیفورنیا اور انڈونیشیا سے درآمد کی جاتی ہے

پاکستان میں ان پینسلوں کی تیاری کے لیئے **شاہ سنز** کا نام سرفہرست ہے۔ ان کی پینسلیں عالمی معیار کے مطابق تیار کی جاتی ہیں۔ ان کا سکہ مضبوط اور رواں ہوتا ہے۔

شاہ سنز کی نئی آٹوکریٹ پینسل کا تو جواب نہیں۔
ایک بار آزمانے کے بعد آپ اسے بار بار استعمال کریں گے،
دفتروں میں، اسکولوں میں، آرٹسٹ،
انجنیئرز، طالب علم سب ہی اسے استعمال کرتے ہیں۔

شاہ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
ڈی ۸۸ - ایس - آئی - ٹی - ای - کراچی
فون : ۲۹۳۴۵۱، ۲۹۳۴۵۲

Midas Khi

تمام طلباء و طالبات کی دلپسند

نوٹ بکس

پی پی پی برانڈ

ملک بھر کے یوٹیلیٹی اور کینٹین اسٹورز اور اسٹیشنری کی
دوکانوں میں مقررہ داموں پر دستیاب ہیں۔

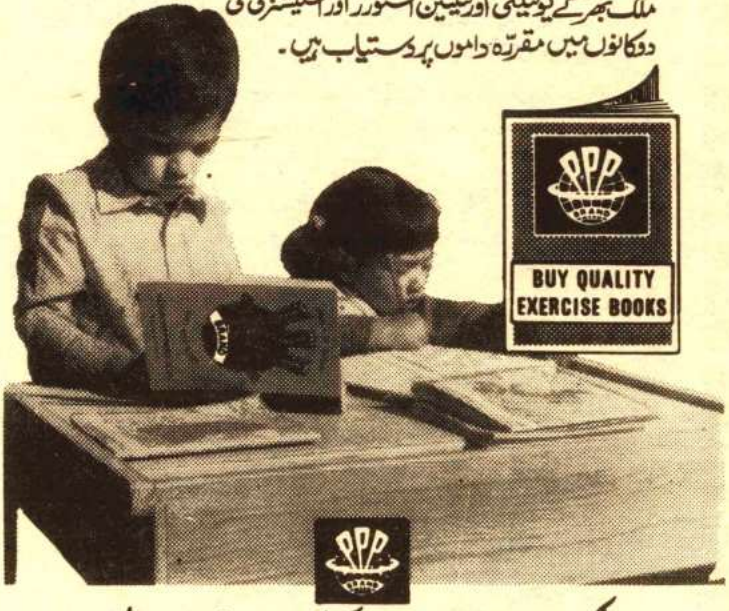

پاکستان پیپر پروڈکٹس لمیٹڈ

پوسٹ بکس نمبر ۷۴۳۸ - کراچی ۳

786/PPP-16/84

ٹیلے فون: ۶۱۶۰۰۱ تا ۶۱۶۰۰۵ (۵ لائنیں)

ہمدرد
نونہال

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رجب ——— ۱۴۰۶ ہجری
اپریل ——— ۱۹۸۶ عیسوی
جلد ——— ۳۴
شمارہ ——— ۴

مجلس ادارت

صدر مجلس ——— حکیم محمد سعید
مُدیر اعلا ——— مسعود احمد برکاتی
مُدیرۂ اعزازی ——— سعدیہ راشد

فی کاپی ——— ۴/۰۰ رُپے
سالانہ ——— ۴۵/۰۰ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے) — ۸۱ رُپے

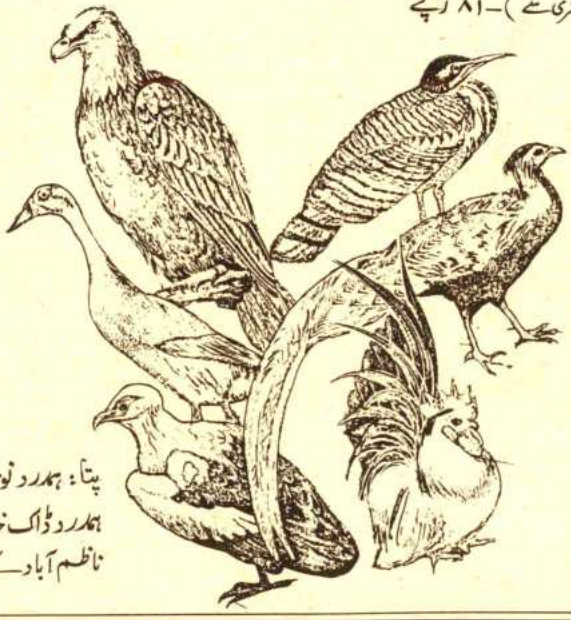

پتا: ہمدرد نونہال
ہمدرد ڈاک خانہ
ناظم آباد — کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اِس رسالے میں کیا ہے!

جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	۵	۳۲	ادارہ	صحت مند نونہال
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۶	۳۳	جناب علی اسد	آدمی خچر بن گیا
مناظر قدرت	جناب غنی دہلوی	۷	۳۷	جناب شاکر عثمانی	قرض
حاجب المنصور	جناب مرزا ظفر بیگ	۸	۴۷	جناب قمر ہاشمی	امن اور جنگ (نظم)
وہ کون تھا	جناب میرزا ادیب	۱۱	۴۸	جناب مشتاق	کارٹون
تحفے	باذوق نونہال	۱۷	۴۹	جناب حکیم محمد سعید	طب کی روشنی میں
معذور مگر مجبور نہیں	.....	۲۲	۵۳	جناب رشید الدین احمد	گیند اُجلی ہو گئی
بجلی (نظم)	جناب ضیاء الحسن ضیا	۲۴	۵۹	ننھے مزاح نگار	مسکراتے رہو
بلّی کا محل	.....	۲۵	۶۳	.....	ایکس ریز کا کمال
اخبارِ نونہال	ننھے صحافی	۳۱	۶۷	جناب علی ناصر زیدی	انسائیکلو پیڈیا

● اس شمارے کے مشکل الفاظ ادارہ ۷۰ ● بزمِ ہمدرد نونہال جناب شہزاد منظر ۷۱ ● معلومات عامہ ۷۴

ادارہ ۸۱ ● نونہال مصور ننھے آرٹسٹ ۸۳ ● منتخب کہانیاں جناب عامر وسیم، جناب سید شاہ عابد حسین ۸۴

● نونہال ادیب ننھے لکھنے والے ۸۹ ● ننھے قارئین لکھتے ہیں نونہال پڑھنے والے ۱۲ ● معلومات عامہ کے جوابات ادارہ ۱۰۸

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے جس کے لیے ادارہ ذمے دار نہ ہوگا۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد، ناظم آباد کراچی نمبر ۱ سے شائع کیا۔

زندگی میں کام یابی کے لیے کئی چیزیں ضروری ہیں۔ ان میں اخلاق سب سے اوّل ہے۔ شاید بعض لوگ اخلاق کو کام یابی کے لیے ضروری نہ سمجھیں۔ ان لوگوں کی سوچ کا انداز یہ ہے کہ اخلاق میں کم زور بلکہ بد اخلاق لوگ بھی کام یابی کے زینے چڑھ جاتے ہیں اور بلندیوں پر پہنچ جاتے ہیں، لیکن میرے نزدیک اخلاق کے بغیر کام یابی ممکن نہیں۔ ظاہر میں یہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے، لیکن ذرا غور کیا جائے تو اندازہ ہو جائے گا کہ ایسے لوگ اصل میں ناکام ہوتے ہیں۔ وہ اپنے کو کام یاب سمجھتے ہوں مگر یا تو اُن کی کام یابی عارضی ہوتی ہے یا ظاہری ہوتی ہے۔ اندرونی طور پر وہ پریشان رہتے ہیں۔ اصل میں کام یاب انسان اس کو کہتے ہیں جس کو سکون و اطمینان میسر ہو، جس کی لوگ عزّت کرتے ہوں اور جو دوسروں کا محتاج نہ ہو۔ کام یابی کے لیے دولت ضروری نہیں ہے۔ دولت کے بغیر بھی انسان عزّت اور اطمینان کی زندگی گزار سکتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ زندہ رہنے کے لیے پیسہ بھی ضروری ہے، لیکن اتنا پیسہ کہ اس کو اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے دوسروں کا سہارا نہ لینا پڑے۔

جو لوگ دولت حاصل کرنے کے لیے غلط کام کرتے ہیں وہ اپنی نظر میں یا دنیا کی نظر میں کتنے ہی کام یاب ہوں، اصل میں کام یاب نہیں ہوتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ محنت اور صلاحیت سے کمائی ہوئی دولت انسان کو سکون اور آرام پہنچاتی ہے، لیکن اگر انسان دولت کو ہی مقصد بنالے تو پھر وہ اس کے لیے اپنے سکون، اپنے اصول، اپنی عزّت کو بھی قربان کر دیتا ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اخلاق کے بغیر انسان صحیح معنی میں کام یاب نہیں کہلا سکتا

تمھارا دوست اور ہمدرد حکیم محمد سعید

خیال کے پھول

▪ **حضور اکرمؐ** — جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ مرسلہ: رحیلہ منظور، حیدر آباد

▪ **حضرت عمر فاروقؓ** — طالبِ دنیا کو علم پڑھانا رہزن کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے۔

مرسلہ: محی الدین خان

▪ **حضرت علیؓ** — دوست کے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ مرسلہ: وسیم احمد اشعر

▪ **ابنِ عربیؒ** — غصّے کو پی جانا نہایت ضروری ہے۔ اس طرح تم خدا تعالیٰ کو راضی، شیطان کو ناراض اور اپنے نفس کو مغلوب کرو گے۔ مرسلہ: سلیم انور عباسی، کراچی

▪ **امام غزالیؒ** — دل کو زندہ اور بیدار رکھنے کے لیے اچھی کتابوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

مرسلہ: سید ندیم، نیو کراچی

▪ **شیخ سعدیؒ** — جو سلام کرنے میں پہل کرے وہ خدا کی رحمت اور اس کے رسولؐ کی شفاعت کا زیادہ مستحق ہے۔ مرسلہ: محمد ایوب عرفانی، شکار پور

▪ **ٹالسٹائی** — کسی کا دل نہ دکھاؤ کہ تم بھی دل رکھتے ہو۔ مرسلہ: صالحہ حسن، کراچی

▪ **ارسطو** — علم سکون کا باعث ہے لیکن دولت سکون کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ مرسلہ: فرح بلقیس، کراچی

▪ **البیرونی** — بیماری اور بے کاری کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ مرسلہ: عبد الرزاق انصاری

▪ **آرنلڈ بینیٹ** — انصاف کی اُجرت یقیناً لازوال شہرت کی صورت میں مل جاتی ہے۔

مرسلہ: عشرت تاج وارثی، کراچی

▪ **برنارڈ شا** — جب تک آدمی بولتا نہیں اس کے ہنر پوشیدہ رہتے ہیں۔ تم جنگل کی خاموشی کو دیکھ کر یہ گمان نہ کرو کہ وہ خالی پڑا ہے۔

مرسلہ: ثمینہ انجم، لاڑکانہ

▪ **ٹینی سن** — انسان علم کا بہت زیادہ بوجھ اُٹھانے کے باوجود خود کو پھول کی طرح ہلکا محسوس کرتا ہے۔

مرسلہ: ایس۔ ایم اظہر، فیصل آباد

▪ **گوئٹے** — سائنس اور فن تمام دنیا کے لیے ہیں۔ ان کو کسی ملک کی حدود کا پابند نہیں ہونا چاہیے۔

مرسلہ: سعدیہ سعید، سکھر

▪ **حاتم علوی** — احساسِ برتری اور احساسِ کم تری دونوں انسانی ترقی کے لیے سخت ٹھوکریں ہیں۔ زندگی کی اصل راحت اور ترقی ان دونوں میں اعتدال پیدا کرنے سے وابستہ ہے۔ مرسلہ: شازیہ عزیز، سرگودھا

مناظرِ قدرت

غنی دھلوی

کھلی جب آنکھ میری منھ اندھیرے
چلا اُٹھ کر میں جنگل کو سویرے

پہاڑوں کی حسیں چوٹی سے اُبھرا
پیامِ صبحِ نو خورشیدِ صحرا

سحر کے قافلے ہر سُو رواں تھے
حسیں دل کش پہاڑوں کے جہاں تھے

زمیں پر خاک کے ذرّے بھی موتی
گُلوں پر شبنمی قطرے بھی موتی

تھے جلوہ ریز قدرت کے مناظر
نظر آتے تھے جنّت کے مناظر

ہوا ٹھنڈی تھی دل کش تھیں بہاریں
درختوں کی حسیں لمبی قطاریں

کنول کے پھول موجوں کے سہارے
سفینے لگ گئے آ کر کنارے

حسیں باغات بھی تھے لہلہاتے
نظر آئے عنادل چہچہاتے

ہر اِک سُو بھینی بھینی تھیں فضائیں
کہ خوش بُو سے معطّر تھیں ہوائیں

عجب موسم تھا دل کش تھا نظارہ
سحر کا وقت بھی کتنا تھا پیارا

یہ دِل کش دِل رُبا رنگیں نظارے
حقیقت میں ہیں فطرت کے اشارے

حاجب المنصور

مرزا ظفر بیگ

تاریخ شاہد ہے کہ انسان نے اپنی محنت، ذہانت، صلاحیت اور مسلسل جدوجہد سے کام یابی حاصل کی ہے۔ جس انسان کے اندر کچھ حاصل کرنے کا سچّا جذبہ ہوتا ہے وہ اسے ضرور حاصل کر لیتا ہے۔ جو لوگ محنت کرتے ہیں خدا ان پر مہربان ہوتا ہے اور انھیں اس محنت کا پھل ضرور ملتا ہے۔ ہم آپ سے ایک ایسے شخص کا تعارف کرا رہے ہیں جو ایک معمولی آدمی سے ترقی کر کے ایک بہت بڑا آدمی بنا جس نے مسلم اسپین کی تاریخ کو ایک نیا باب دیا اور عام لوگوں میں "حاجب المنصور" کے نام سے یاد کیا گیا۔

حاجب المنصور کا اصل نام محمد بن ابی عامر تھا۔ وہ ۹۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام ابو حفص عبداللہ تھا جو بڑے دین دار اور نیک انسان تھے۔ محمد بن ابی عامر کا تعلق قبیلہ "یمانیہ" کے ایک شریف خاندان معافر سے تھا۔

المنصور شروع میں قرطبہ یونی ورسٹی کے طالبِ علم تھے۔ ان کو ترقی کرنے اور بڑا آدمی بننے کا بہت شوق تھا۔ ان کے ارادے بہت بلند تھے۔ وہ اکثر پورے یقین سے کہتے تھے "میں ایک دن اسپین کا تاج دار بنوں گا۔" اکثر وہ اپنے ساتھیوں سے پوچھتے تھے کہ جب میں حکومت حاصل کر لوں گا تو تم کون سا عہدہ پسند کرو گے۔ ان باتوں کی وجہ سے لوگ ان کو خبطی سمجھنے لگے، لیکن ان میں بڑا آدمی بننے کی صلاحیت بھی موجود تھی اور شوق بھی تھا۔ بڑا آدمی بننے کے لیے آدمی میں کچھ خصوصیات کا ہونا ضروری ہے اور جو ان خصوصیات کو حاصل کر لیتا ہے اس کے لیے بڑا آدمی بننے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی۔

تعلیم سے فارغ ہو کر انھوں نے شاہی محل کے قریب ایک دُکان کرائے پر لی اور اس میں بیٹھ کر وہ لوگوں کی درخواستیں لکھنے لگے۔ یہی ان کا ذریعۂ معاش تھا۔ اس زمانے میں خلیفہ الحکم ثانی کی حکومت تھی۔ حُسنِ اتفاق سے خلیفہ الحکم ثانی کی بیگم "ملکہ صباح" کو ایک منشی کی ضرورت پیش

آئی جو ان کی جائداد کا حساب کتاب لکھ دیا کرے۔ چناں چہ کسی کی سفارش پر محمد بن ابی عامر کو ملکہ صباح کے ہاں نوکری مل گئی۔ انھوں نے اپنا کام بڑی، محنت، لگن اور دیانت داری سے انجام دیا، جس سے خوش ہو کر انھیں "اشبیلہ" کے زکوٰۃ اور وراثت کے دفتر کا انچارج بنا دیا گیا۔ اس عہدے پر پہنچ کر انھوں نے اپنی قابلیت کے خوب جوہر دکھائے۔ انھیں قرطبہ سے باہر رہنا پڑتا تھا اس لیے المنصور کی درخواست پر ملکہ صباح نے انھیں قرطبہ میں بُلا کر دارالضرب (ٹکسال) کا افسر اعلا بنا دیا۔ یہاں خزانہ ان کے تحت میں تھا۔ بڑے بڑے معزز لوگوں سے ان کی دوستی ہو گئی۔ یہ لوگ اپنے اخراجات کی تصدیق المنصور سے کرواتے تھے اور قرضہ بھی حاصل کر لیتے تھے۔ منصور نے ملکہ صباح کو خوش رکھا۔ وہ ان کی خدمت میں تحفے بھیجتے رہتے تھے۔ ایک بار شاہی محل کا ماڈل چاندی کا بنوا کر پیش کیا۔ ان کی اچھی گفت گو سے محل کی دوسری بیگمات بھی ان کی عزّت کرنے لگیں۔ المنصور کی اس عزت اور شہرت کی وجہ سے لوگ ان سے حسد کرنے لگے، لیکن ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ خلیفہ الحکم ثانی نے ان کی لیاقت کی بہت تعریف کی اور ان کے مرتبوں میں اضافہ کیا۔ پھر ان کو چند ایسی جاگیروں کا انتظام بھی دیا گیا جن کے مالکان فوت ہو چکے تھے۔ گیارہ مہینے بعد المنصور کو اشبیلہ کا قاضی بنا دیا گیا۔ ۳۵۹ھ میں شہزادہ عبدالرحمٰن کا انتقال ہو گیا۔ یہ خلیفہ الحکم ثانی کے بڑے بیٹے تھے۔ اس لیے عبدالرحمٰن کے چھوٹے بھائی ہشام ولی عہد بنے اور محمد بن ابی عامر کو ہشام کا اتالیق مقرر کیا گیا۔ بعد میں المنصور کو قرطبہ کا "صاحب الشرط" مقرر کیا گیا۔ اس جگہ آنے کے بعد المنصور نے اتنی تن دہی اور محنت سے کام کیا کہ وہ قرطبہ کے رہنے والوں میں بہت مقبول ہو گئے۔

المنصور فوج میں بھی بہت مقبول تھے۔ اس کی وجہ ایک واقعہ بنا جس میں سپہ سالار غالب کی بد دیانتی پر شک کر کے خلیفہ الحکم ثانی نے المنصور کو تحقیقات کے لیے بھیجا اور مغربِ اقصیٰ کا قاضی القضاۃ بنا دیا۔ انھوں نے تحقیقات کا کام ایسے دوستانہ طریقے سے انجام دیا کہ فوجی بھی خوش ہو گئے اور خلیفہ کو بھی اطمینان ہو گیا۔ اب ان کا تعلق براہِ راست فوجی افسران سے ہو گیا تھا۔ چناں چہ انھوں نے جلد ہی فوج میں بڑا اثر رسوخ حاصل کر لیا۔

۳۶۶ھ میں خلیفہ الحکم ثانی کا انتقال ہو گیا۔ ہشام تخت نشین ہوئے۔ انھوں نے 'المویّد' کا لقب اختیار کیا۔ اس وقت ہشام کی عمر صرف بارہ برس تھی۔ اچانک عیسائیوں نے بغاوت کر

دی۔ اس بغاوت کو کچلنے کے لیے المنصور نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ انھوں نے اس جنگ میں عیسائیوں کو زبردست شکست دی اور بہت سارا مال و اسباب لے کر دربار خلافت لوٹے۔ اس مہم میں شان دار کام یابی کی بہ دولت انھوں نے قرطبہ کے لوگوں کے دل جیت لیے اور ان کی فیاضی، قابلیت اور قیادت کی دھوم مچ گئی۔ انھوں نے بہ ذات خود روزمرہ کے عام معاملات کی نگرانی کی۔ چوریاں، قتل اور دوسرے جرائم بہت جلد ختم ہو گئے۔ پولیس نے رشوت لینی چھوڑ دی۔ المنصور نے پولیس کے بدعنوان لوگوں کو سزائیں دیں اور امن و امان قائم کیا۔ وہ کسی بڑے چھوٹے کا لحاظ نہ کرتے تھے۔ ہر جگہ ان کی انصاف پسندی کا سکّہ بیٹھ گیا۔

المنصور اپنی زندگی کی آخری جنگ لڑ کر "قشتالیہ" سے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں بیمار ہو گئے اور ۲۷ رمضان المبارک ۳۹۲ھ (۱۰۔اگست ۱۰۰۲ء) کو ۶۱ سال کی عمر میں وفات پائی اور مدینہ سالم میں دفن کیے گئے۔

المنصور بہ ظاہر "حاجب" یعنی وزیر اعظم کے عہدے پر تھے، لیکن انھیں مکمل اختیارات حاصل تھے۔ انھوں نے اپنی حکمت عملیوں سے نوعمر خلیفہ ہشام کو ایک طرف کر دیا تھا اور خود حکم رانی کرنے لگے یعنی انھوں نے خلافت کو معطل کر کے وزارت عُظمیٰ قائم کی۔ مختارِ کل بنے، لیکن نوعمر خلیفہ ہشام کو ہٹانے کی کبھی کوشش نہ کی۔ یہ بھی ان کی انصاف پسندی کا ثبوت ہے۔

بلاشبہ المنصور "اسپین" کی حکومت کے لیے بہت مفید ثابت ہوئے۔ ایک طرف تو وہ سلطنت کے تمام کام انجام دیتے تھے دوسری طرف وہ سرحدوں کی حفاظت، عیسائیوں سے مقابلے اور جہاد بھی کرتے تھے۔ المنصور علم و ادب کے قدر داں تھے۔ انھوں نے ملک کی علمی اور ثقافتی ترقی میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ملک کے لوگوں کی علمی صلاحیتوں کی حوصلہ افزائی کی۔ ان کے دربار میں عالموں کی بہت عزّت ہوتی تھی، اس لیے عالموں اور شاعروں کی ایک بڑی تعداد قرطبہ میں جمع ہو گئی تھی۔ غرض محمد بن ابی عامر حاجب المنصور بہ یک وقت مدبّر بھی تھے اور سیاست داں بھی، کام یاب منتظم بھی تھے اور بہترین جرنیل بھی۔ وہ بادشاہ یا خلیفہ تو نہ بن سکے، لیکن ان کے کارناموں اور کردار کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کسی بھی طرح کسی بادشاہ یا خلیفہ سے کم نہ تھے۔ وہ اپنے خداداد ذہن کی مدد سے معمولی منشی سے ترقی کر کے وزیر اعظم بنے اور کام یابی سے حکومت کی۔ تاریخ میں انھیں ہمیشہ اچھے کاموں اور کارناموں کی وجہ سے یاد رکھا جائے گا۔

وہ کون تھا ؟

میرزا ادیب

ایک زمانے میں وہ تالاب پانی سے لبالب بھرا رہتا تھا۔ لوگ اس میں نہاتے تھے۔ اپنے مویشیوں کو پانی پلاتے تھے، عورتیں اس کے کنارے بیٹھ کر دن بھر کپڑے دھویا کرتی تھیں، مگر جب چند ماہ سے تالاب اور اس کے ارد گرد کے علاقے میں بارش کا ایک قطرہ تک نہ گرا تو کھیت سوکھ گئے۔ زمیں داروں نے تو ٹیوب ویل لگوا کر یا نہر سے پانی فراہم کرنے کا انتظام کر لیا اس لیے فصلوں پر اس خشک سالی کا کوئی خاص اثر نہ ہوا، البتہ تالاب سوکھا کا سوکھا ہی رہا۔

اس علاقے کے رہنے والے جو کام تالاب سے لیتے تھے وہ انھوں نے نہر سے لینا شروع

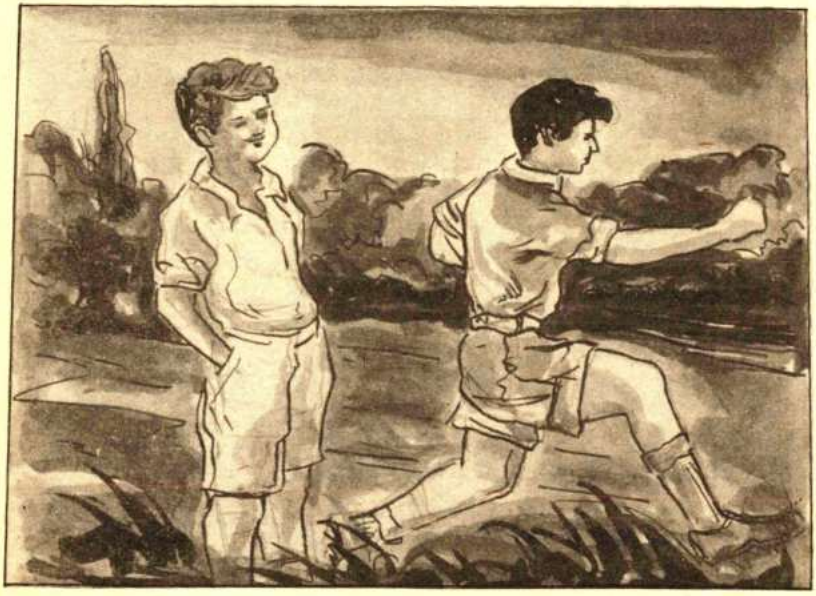

کر دیا اور تالاب یوں دکھائی دینے لگا جیسے وہاں کبھی پانی تھا ہی نہیں۔ اپنے قصبے سے شہر میں جانے کے لیے جو بھی اِدھر سے گزرتا تھا وہ بڑی آسانی سے اس جگہ پر سے گزر جاتا تھا۔ جہاں کبھی تالاب واقع تھا۔ آدمیوں کے علاوہ وہاں ہر روز مویشی بھی آجایا کرتے تھے۔ ان کے پاؤں مٹّی ہی پر پڑتے تھے۔

اتوار کا پچھلا پہر تھا۔ دو لڑکے عامر اور اکبر شہر میں گھوم پھر کر واپس آرہے تھے۔ اُس وقت سماں بڑا سہانا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور آسمان ابر آلود تھا۔ گرمیوں میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بڑا لطف دیتے تھے۔

اکبر دُور پہاڑوں کے اوپر سورج کی لٹکیا کو شفق میں آہستہ آہستہ غائب ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ یہ منظر اُسے اتنا پیارا لگا کہ وہ وہیں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ عامر بھی اس کی دیکھا دیکھی زمین پر نیم دراز ہوگیا۔

دونوں چپ چاپ ماحول سے لُطف اُٹھاتے رہے۔ یکایک اکبر کے دل میں ایک خیال آگیا۔ عامر کو مخاطب کر کے کہنے لگا، "عامر، جانتے ہو ہم کہاں بیٹھے ہیں؟"

"نہیں! میں نہیں جانتا، شاید یہاں کبھی تالاب ہوتا تھا" عامر نے جواب دیا۔

"بالکل یہی بات ہے۔ ہم اس کے کنارے بیٹھے ہیں۔ سوچو ذرا اگر یہاں تالاب رہتا تو کیا ہوتا؟"

"کیا ہوتا؟ کچھ بھی نہ ہوتا۔ میں نے کئی بار اسے پار کیا تھا۔ میں نہر اور دریا میں بھی تو تیر سکتا ہوں" عامر جب یہ الفاظ کہہ رہا تھا تو اس کی چھاتی فخر سے پھول گئی تھی۔

وہ سارے قصبے میں سب سے تیز دوڑنے والا اور بڑا اچھا تیراک سمجھا جاتا تھا۔ دوڑ اور تیراکی میں جب بھی مقابلہ ہوتا تھا وہ عام طور پر اول ہی آتا تھا۔

"عامر" اکبر کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کہہ نہ سکا۔

"کیا بات ہے اکبر" عامر نے پوچھا۔

اکبر نے ایک منٹ خاموش رہنے کے بعد کہا "میں نے سُنا ہے کہ خشک دریا اور پہاڑ بڑے خطرناک ہوتے ہیں" عامر نے قہقہہ لگایا۔

"کیا خطرناک ہوتے ہیں۔ میں ہر جگہ بھاگ سکتا ہوں اور ایک منٹ کے اندر کہیں سے کہیں

پہنچ سکتا ہوں۔"

اکبر کو اس کا قہقہہ اچھا نہ لگا۔ تاہم اس نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

ابھی شام کا اندھیرا پھیلا نہیں تھا۔ دُور اور نزدیک اِکّا دکّا آدمی نظر آجاتا تھا۔ شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تو اکبر نے واپسی کے لیے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ واپس چلتے ہیں۔"

"تو اٹھو چلو۔" اکبر نے کہا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"یوں نہیں۔" عامر نے مسکرا کر کہا۔

"یوں نہیں تو پھر کس طرح؟" اکبر نے پوچھا۔

"دوڑ کر۔"

اکبر کو عامر کی یہ تجویز نامعقول لگی۔

"پاگل ہو گئے ہو۔ اس وقت اندھیرے میں دوڑتے بھاگنے کی کیا تُک ہے؟"

"دیکھنا مزہ آجائے گا۔"

"خاک مزہ آئے گا۔"

اکبر نے ہر چند انکار کیا مگر عامر ضد پر اُتر آیا۔ آخر اکبر مان گیا۔ دونوں پیچھے چلے گئے۔ اب شام کی سیاہی نے فضا کو اپنے پردے میں چھپا لیا تھا۔ وہ ایک جگہ رُک گئے۔

"جب میں ایک دو تین کہوں تو ہم دوڑ پڑیں گے۔" عامر نے کہا۔

"مگر دوست، تم تو بہت تیز دوڑنے والے ہو، میرا تمھارا کیا مقابلہ۔" اکبر بولا۔

"ہم مقابلہ تھوڑی کریں گے۔ یونہی بھاگیں گے۔" دونوں ہاتھوں میں ہاتھ دیے کھڑے تھے۔ عامر نے گنتی شروع کی۔

"ایک.... دو.... تین...." وہ دوڑنے لگے۔

عامر چند منٹ ہی میں آگے نکل گیا۔ اکبر بھاگ رہا تھا کہ اچانک اس نے عامر کی آواز سنی۔ "اکبر بچاؤ۔"

اکبر کو اندھیرے میں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس نے زور سے پکارا، "عامر کہاں ہو؟" عامر کی آواز تو آئی، لیکن وہ سمجھ نہ سکا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے عامر کا نام لے

کر دو تین بار پکارا، تیزی سے آگے بڑھا، مگر اندھیرے میں وہ عامر کو کہیں بھی نہ دیکھ سکا۔

"اب میں کیا کروں؟"

وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بھاگ کر عامر کے گھر پہنچا اور جو کچھ ہوا تھا عامر کے باپ کو سُنا دیا۔

عامر کے سارے گھر والے گھبرا گئے۔ جلدی جلدی انھوں نے لالٹینوں کا بندوبست کیا اور سوکھے تالاب کی طرف جانے لگے۔

"کون سی جگہ ہے جہاں سے عامر نے تمھیں مدد کے لیے پکارا تھا؟" عامر کے چچا نے پوچھا۔

اکبر صرف یہی بتا سکا کہ وہ جہاں بھاگ رہا تھا اس سے کچھ دُور اس نے عامر کی آواز سُنی تھی۔ وہ اپنے اندازے کے مطابق ہی وہ جگہ بتا سکتا تھا اور اس نے وہ جگہ بتا دی۔

سب کے ہاتھوں میں لالٹینیں تھیں اور ان کی روشنی میں زمین صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ایک جگہ ایک گڑھا سا پڑا تھا۔

"یہ جگہ غور سے دیکھو۔" عامر کے بڑے بھائی بولے۔

"ہاں، یہ دَل دَلی جگہ ہے۔ خدانخواستہ عامر اسی جگہ دھنس گیا ہو گا۔" عامر کے چچا نے کہا۔ لالٹینوں کی روشنی گڑھے میں پڑی تو وہاں عامر کا ایک چپّل نظر آ گیا۔

"یہ رہا چپّل۔" عامر کے بڑے بھائی نے گڑھے سے وہ چپّل نکال لیا۔ عامر کے چچا کہنے لگے،

"عامر یہاں دھنسا ضرور تھا، مگر زیادہ دھنسا نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ خود نکل گیا ہو یا کسی نے اسے نکال لیا ہو۔"

کئی منٹ گزر گئے اور وہ سب گڑھے کے اوپر بیٹھے اس معمے پر غور کرتے رہے۔

"چلو چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھتے ہیں۔"

یہ رائے عامر کے والد کی تھی اور وہ اس کے مطابق ایک دوسرے سے الگ ہو کر عامر کو ڈھونڈنے لگے۔ وہ تالاب پر اور تالاب کے ارد گرد لالٹین اُٹھائے گھوم رہے تھے۔

"اِدھر آؤ۔" یہ آواز عامر کے والد کی تھی۔

سب اُدھر جانے لگے۔ وہاں ایک جھونپڑی کے سامنے عامر زمین پر بے ہوش پڑا تھا۔

یہ جھونپڑی ایک ایسے درویش کی تھی جسے بہت ہی کم لوگوں نے جھونپڑی میں جاتے ہوئے یا جھونپڑی میں سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ عام رائے یہ تھی کہ درویش جھونپڑی چھوڑ کر کہیں چلے گئے ہیں اور اب کبھی واپس نہیں آئیں گے۔

اکبر اور تمام لوگ عامر کے چاروں طرف بیٹھ گئے اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد عامر کو ہوش آ گیا۔

"ہوا کیا تھا عامر"، اکبر نے اسے ہوش میں آتے دیکھ کر کہا۔

عامر پاگلوں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ ابھی تک دہشت زدہ تھا اور اس کے منھ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ کئی منٹ تک عامر کی یہی حالت رہی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ کہنے لگا:

"اُس جگہ دَل دَل تھی، میں نیچے ہی نیچے جا رہا تھا۔ اچانک اندھیرے میں کسی نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنی طرف کھینچنے لگا۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یکایک ایک آواز میرے کان میں آئی: "مت کرو تکبّر۔ یہ تکبّر اللّٰہ کو پسند نہیں۔" یہ آواز بند ہو گئی اور مجھ پر ایسا خوف طاری ہوا کہ بے ہوش ہو گیا۔" یہ کہہ کر عامر چپ ہو گیا۔ سب کے سب بڑے غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"وہ کون تھا عامر؟" اس کے باپ کا سوال تھا۔ عامر خاموش رہا۔

"تم نے اسے پہچانا نہیں تھا؟" یہ سوال اس کے بھائی کا تھا۔

عامر اب کے بھی خاموش تھا اور سامنے جھونپڑی کو دیکھ رہا تھا۔

وہ الفاظ جن کے معنی نونہالوں نے پوچھے

اَبَد : (ع) اَ بَ دْ : ہمیشہ، وہ زمانہ جس کی انتہا نہ ہو۔

جوع البقر : (ع) جُو عُلْ بَقَرْ : بھوک کی زیادتی کی بیماری۔

خوان : (ف) خَا ن : کھانا رکھنے کی کشتی، تھال، سینی۔

خواہ : (ف) خَا ہ : چاہے، چاہنے والا۔

تنویر : (ع) تَنْ وِ یْر : روشنی، چمک۔

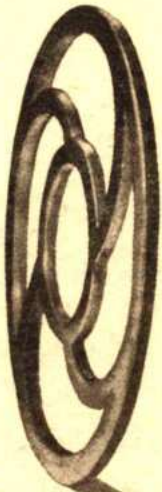

اَلحَمدُ لِلّٰہ

ہم نے
آپ کے اعتماد کو
برقرار رکھا ہے

نیشنل بینک آف پاکستان نے جمع شدہ
رقوم پر قابلِ قدر مُنافع ادا کیا ہے۔
۳۱ر دسمبر ۱۹۸۵ء کو ختم ہونے والی ششماہی کی شرح
مُنافع یہ ہے:-

شرح مُنافع فیصد۔ جون تا دسمبر ۱۹۸۵ء

سیونگز بینک ———— ۸۰ء۷ فیصد
میعادی کھاتے
برائے ۵ سال یا زائد ———— ۴۰ء۱۴ فیصد

سہ ماہی	ششماہی	ایک سال	۲ سال	۳ سال	۴ سال
۰۰ء۹ فیصد	۲۰ء۱۰ فیصد	۶۰ء۱۰ فیصد	۶۰ء۱۱ فیصد	۵۰ء۱۲ فیصد	۴۰ء۱۳ فیصد

۷ دن اور ۳۰ دن کے نوٹس کھاتوں پر بالترتیب ۱۰ء۵ فیصد اور ۹۰ء۵ فیصد منافع دیا گیا

نیشنل بینک آف پاکستان قومی ترقی قومی بینک

United PID-I-4/86

زندگی

مرسلہ: نورالقمر جعفری، کراچی

- وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو زندگی کو مقدس فریضہ سمجھ کر گزارتے ہیں۔
- زندگی ایک اکھاڑا ہے، جس میں کوئی جیت گیا تو کسی کو ہار ہوئی۔
- بے مقصد زندگی ایسی کشتی کی طرح ہے، جو کھلے سمندر میں ہو اور جس کے پتوار نہ ہوں۔
- زندگی کے ہر قدم پر پھول بکھیرتے جاؤ کسی دن باغ لگا پاؤ گے۔
- زندگی ایک سگرٹ کی طرح ہے، جو ہر ثانیہ راکھ بن رہی ہو۔
- اگر حیاتِ جاوید چاہتے ہو تو زندگی قوم کے لیے وقف کر دو۔

قحط

مرسلہ: نگہت شکور ندا، کراچی

دو نامور اور مشہور ادیب جارج برنارڈ شا اور چیسٹرٹن بڑے بے تکلف دوست تھے۔ چیسٹرٹن جتنا موٹا تازہ تھا، اتنا ہی برنارڈ شا دُبلا پتلا۔ ایک دن چیسٹرٹن نے برنارڈ شا پر پھبتی کسی اور کہا، "اے دوست! اگر تمھیں کوئی غیر ملکی دیکھ لے تو یہی کہے گا کہ شاید انگلستان میں قحط پڑ گیا ہے۔"

برنارڈ شا نے بے ساختہ جواب دیا، "ہاں، لیکن وہ جب تمھیں دیکھے گا تو فوراً قحط کی وجہ سمجھ میں آجائے گی۔"

کون کیا تھا؟

مرسلہ: وحیدہ عالم، کراچی

- ہومر: یورپ کا بہترین شاعر بھکاری تھا۔
- کولمبس: امریکا دریافت کرنے والا بھلا ہے کا بیٹا تھا۔
- کمال اتاترک: بابائے ترکی معمولی کلرک کا بیٹا تھا۔
- سقراط: ایک عظیم فلاسفر، ایک معمار کا لڑکا تھا۔
- ابراہام لنکن: امریکا کا صدر، ایک غریب کسان کا لڑکا تھا۔
- جارج اسٹیفن: ریل کے انجن کا موجد، ایک مزدور تھا اور کوئلے کی کان میں کوئلا چھانا کرتا تھا۔

ملاوٹ

مرسلہ: زہرا جمشید، گوجرانوالہ

اسلام کے لب سروس کی داستان طویل ہے۔ آیئے اسے چھوڑیں اور کچھ اپنے کلچر کی باتیں کریں۔ تقریباً اتنا ہی جتنا ہمارا قومی پرچم۔ یہ نیک فال ہے اور یہی حبِ وطن

کا تقاضا ہے، لیکن ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے قومی پرچم کا ناک نقشہ اور قدوقامت تو بالکل واضح ہے۔ کوئی بتا سکتا ہے کہ ہمارے کلچر کا حلیہ کیا ہے؟ یہ کن اجزا سے مرکّب ہے؟ یہ کون سی بولی بولتا ہے اور کس انداز سے سوچتا ہے؟

آج سے بیس اکیس برس قبل پاکستان بنا تو ہر مسلمان گھر میں ایک امّی جان ہوتی تھیں اور ایک ابّا جان۔ کبھی لاڈ میں آئے تو انھیں امی اور ابّو کہہ لیتے تھے۔ ان دو الفاظ میں محبّت کی دنیا آباد تھی اور یہ ہماری ثقافت کا محبوب ترین سرمایہ تھا، لیکن پاکستان بننے کے بعد جوں جوں سستی دولت اور انگریزی تعلیم عام ہوئی پاکستانی مائیں تیزی سے ممّیاں بننے لگیں اور پاکستانی باپ ڈیڈیوں میں تبدیل ہو گئے۔

حضرات! یہ ممی ڈیڈی کی بات شاید معمولی بات ہے، لیکن میں جس گھر میں ان کا استعمال دیکھتا ہوں اُن کے کلچر میں ملاوٹ سی محسوس ہوتی ہے۔ یہ ہماری قومی وضع داری کے منافی ہے اور وضع داری عظمت کی نشانی ہے۔ ـــــ کرنل محمد خان

بادل کا ٹکڑا

مرسلہ: رانا مقصود انور، جڑانوالہ

ملّا نصیر الدین کو لوگوں نے دیکھا کہ جنگل میں نہایت سٹ پٹایا ہوا زمین کو کئی ایک مقامات پر کھود کر کوئی چیز ڈھونڈ رہا ہے۔ پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ جواب دیا، "یہیں کہیں کچھ اشرفیاں دبائی تھیں اور اب اس قدر تلاش کے باوجود نہیں مل رہیں۔" لوگوں نے کہا، "جس جگہ تم نے اشرفیاں دبائی تھیں اس کے قریب کوئی نشانی نہیں رکھی تھی؟"

جواب دیا، "کیوں نہیں، نشانی یہ تھی کہ بادل کا ایک ٹکڑا زمین کے اس حصّے پر اس وقت چھایا ہوا تھا۔"

دانش و مزاح

مرسلہ: محمد عارف محمد یوسف، کراچی

خطابت

اپنے سینے سے ایسی پُرشور آوازیں نکالنے کا فن، جو بہ ظاہر دماغ کے پیغامات معلوم ہوں۔

بجٹ

پیسہ خرچ کرنے سے پہلے پریشان ہونے کا ایک طریقہ۔

ایک قبر کا کتبہ

معاف کیجیے، میں آپ کے استقبال کے لیے نہیں اُٹھ سکتا۔

بُرے دوست

مرسلہ: محمد حسن، جھڈو

جہاں تک ہو سکے بُرے دوستوں سے دُور رہو، کیوں کہ بُرا دوست زہریلے سانپ سے بھی خطرناک ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ ایسا شخص جو بُرے کام کرتا ہو اُس سے دوستی رکھنے والا بھی بُرے کاموں میں ملوّث ہو سکتا ہے، کیوں کہ صحبت کا اثر ہو کر رہتا ہے۔ شیخ سعدیؒ اس بارے میں فرماتے ہیں جو شخص بُرے کی صحبت میں بیٹھتا

ہے، اس پر تہمت ضرور لگائی جاتی ہے۔ چاہے وہ ان کی سیرت اختیار کرے یا نہ کرے۔ اس لیے آپ کبھی بُرے دوست نہ بنائیں۔ اگر آپ کا کوئی دوست بُرے کام کرے تو اسے منع کیجیے یا سمجھائیے۔ اگر وہ بُرے کام نہ چھوڑے تو آپ اُسے چھوڑ دیجیے۔

چٹکلے

مرسلہ: اظہر ندیم، تحصیل پنڈی گھیب

- دو دانے اٹھانے والی چیونٹی (کسی کم زور) کو مت ستا کہ اس میں جان ہے اور وہ اپنی زندگی میں خوش ہے۔
- کسی کم زور کے سر پر زور دار ہاتھ نہ مار کہ ایک دن تو بھی اس کے پاؤں کے نیچے چیونٹی کی طرح ہوگا۔
- میں نے مانا کہ تجھ سے کم زور سیکڑوں ہیں، لیکن کوئی نہ کوئی تجھ سے طاقت ور بھی ہے۔
- اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو بخش دیتا ہے جس کے وجود سے اس کی مخلوق کو آرام ملے۔

ـــــ فارسی کے ایک سبق سے ترجمہ

پانی

مرسلہ: سید جاوید انور نقوی، کراچی

پانی پہنچانے کے لیے نل ضروری ہیں۔ چناں چہ کارپوریشن نے کروڑوں رُپے خرچ کر کے جا بجا نل لگوا دیے ہیں۔ فی الحال ان میں ہائیڈروجن اور آکسی جن بھری ہے، لیکن ماہرین کی رائے ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ گیسیں ضرور مل کر پانی بن جائیں گی۔ چناں چہ بعض نلکوں سے پانی کے چند قطرے اب بھی روزانہ ٹپکتے ہیں۔

ہمدرد نونہال، اپریل ۱۹۸۶ء

کرکٹ کمنٹری

مرسلہ: محمد اسحاق انجم، ڈگری

پان والے کی دُکان ویسے ہی بازار کا یو این او ہوتی ہے، جہاں ہر کوئی انسانیت کے بنیادی حقوق سے شرابور ہو کر آتا ہے اور اگر دُکان پر ریڈیو بھی ہو تو سبحان اللہ۔ بدقسمتی سے اس روز انگلینڈ میں کرکٹ کا ٹیسٹ میچ ہو رہا تھا، جس کا ذکر پان والے کی دُکان پر سُنا جا رہا تھا۔ لوگوں کے ٹھٹھ لگے تھے۔ پان والے تک پہنچنا عذاب تھا۔ بحرِ ظلمات میں گھوڑے دوڑانے والی قوم جب کھڑی ہو جاتی ہے تو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتی ہے۔ اس دیوار کی جھالر پر ایک صاحب اتنے مگن کھڑے تھے کہ جب ہم نے مری ہوئی آواز میں آگے جانے کی اجازت چاہی تو کان تو ایک طرف ان کے جسم کے کسی حصّے پر جوں تک نہ رینگی۔ تہذیب کے دائرے میں رہ کر ہم نے ان کی کہنی کو جھیڑا تو گدھے کے کان سے مکھی ہلانے کے انداز میں جھٹک کر بہ دستور کھڑے رہے۔ کندھے پر ہاتھ رکھا تو انتہائی خیر سگالی کا مظاہرہ کرتے ہوئے برداشت کر گئے۔ ذرا دبایا تو مُڑ کر بولے،

"ماجد کا اسکور ساٹھ ہو گیا ہے۔"

ہم نے ہتھیار ڈال دیے اور پیسے دیتے ہوئے کہا،

"آگے سے آدھا پاؤ چھالیا دلوا دیں۔"

انھوں نے دن سے بھیڑ میں ہاتھ گھسیڑ دیا اور معلوم نہیں کیسے پیسے دیتے ہوئے بولے، "بھائی، ذرا آدھا پاؤ چھالیا تو پکڑنا۔" ایک دوسری آواز نے اس آرڈر کو اسی انداز میں دُہرایا اور پھر کمنٹری میں ڈوب گئی۔ بہرحال یہ تسلی تھی کہ

ابھی کام ہو جائے گا، مگر کافی دیر تک اُدھر سے کوئی رسید نہ ملی تو ہم نے یاد دہانی کرانے کی کوشش کی، مگر وہ کمنٹری کے جادو میں گم تھے۔ چناں چہ صبر کر کے باری باری پاؤں کا بوجھ بدلتے ہوئے کمنٹری سنتے رہے۔ بولنے والا چار پانچ فقروں کا وظیفہ کرتا جاتا۔ پس منظر میں کبھی سیٹیاں بجتی تھیں تو کبھی پھبتے ڈکارتے تھے۔ کافی دیر بعد ہمارے محسن نے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ کوئی چیز ہمارے ہاتھ میں پکڑا دی۔ کھول کر دیکھا تو اندر سے بگلے کے سگرٹ کی ڈبیا برآمد ہوئی۔

مسعود مفتی

مقابلہ

مرسلہ: سید کامران حیدر، کراچی

اپنا مقابلہ دوسروں سے نہ کیجیے۔ ورنہ دوسروں کے مقابلے میں آپ میں جو کمی ہو گی، اُسے محسوس کر کے آپ احساس کم تری میں مبتلا ہو جائیں گے۔ دوسروں سے اپنا مقابلہ کرنے کے بجائے دوسروں کی اچھی خصوصیات اور خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کیجیے۔

جدید لُغت

مرسلہ: اصباح، عظمیٰ، لاہور

بھائی ــــ ایسا آدمی جو کام نہ آسکے۔

پڑوسی ــــ وہ شخص جسے نہ آپ جانتے ہوں اور نہ وہ آپ کو جانتا ہو۔

جہلم ــــ پُر تکلف دعوت۔

سال گرہ ــــ ضروریاتِ زندگی اور کھلونے جمع کرنے کا مہذّب طریقہ۔

سارے بچّوں کی پہلی پسند!

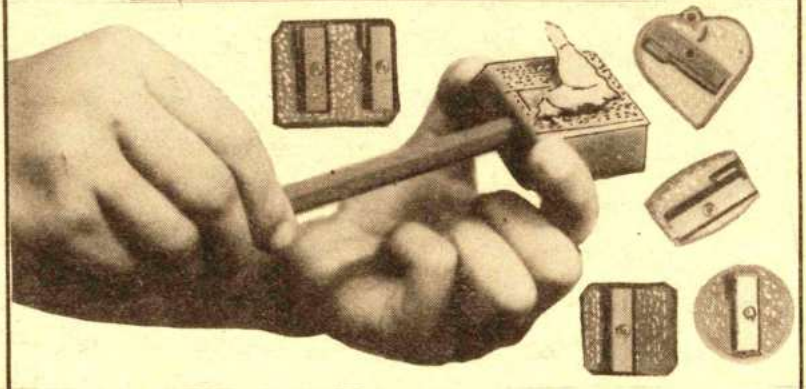

انڈس شارپنر

mayfair

Milk Bon Bon

مے فیئر

مِلک بون بون

دُودھ اور گلوکوز سے تیار شدہ
توانائی سے بھرپور

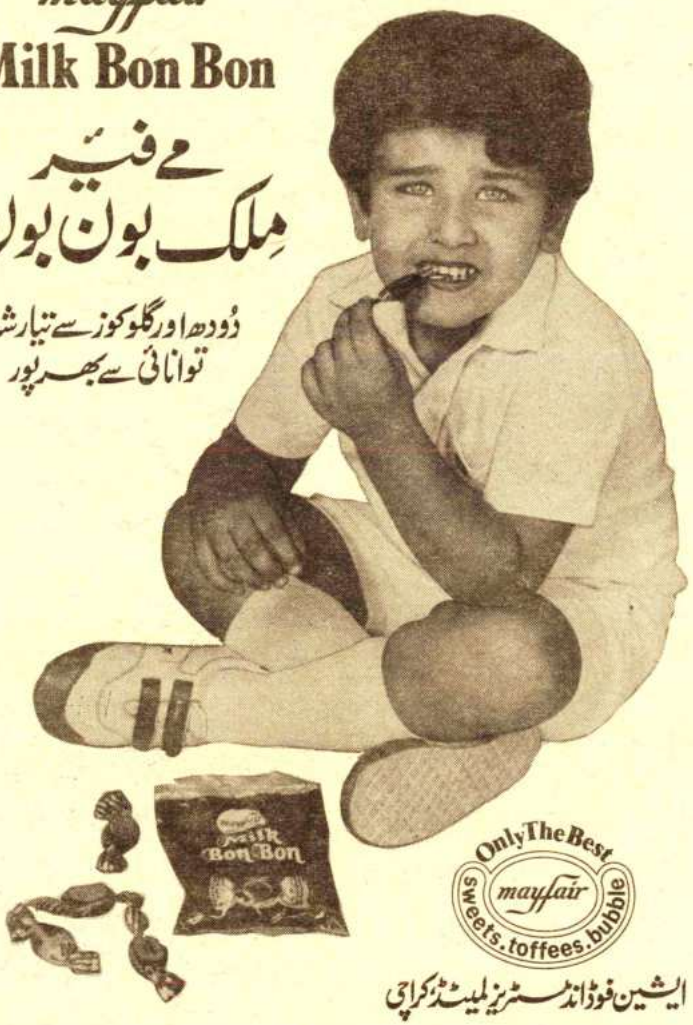

Only The Best
mayfair
sweets. toffees. bubble

ایشین فوڈ انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی

Adarts

معذور مگر مجبور نہیں

ایک معذور نے ڈیڑھ ہزار میل کی دوڑ جیتی

بوب ہال ایک سال ہی کا تھا کہ بچّوں کے فالج (پولیو) نے اس کی دونوں ٹانگیں بے کار کر دیں، لیکن عزم و ہمّت کے اس پیکر نے اپنے ہمدرد سرپرستوں اور دوستوں کی مدد سے اپنی اس معذوری کو زندگی کی دوڑ میں رکاوٹ بننے نہ دیا۔ یورپ اور امریکا کے بے شمار معذوروں کی طرح وہ بھی اپنی "پہیّا کرسی" سے ٹانگوں کا کام لیتا ہے، لیکن اس نے اپنی اس پہیّا کرسی کے ذریعہ سے ڈیڑھ ہزار میل سے زیادہ کا فاصلہ طے کر کے زندگی کی سخت و سنگلاخ شاہ راہ پر کامیابی کا پرچم نصب کر دیا۔ اپنے اس کارنامے کے ذریعہ سے اس نے ثابت کر دیا کہ معذوری انسان کے پیر کی بیڑی نہیں بن سکتی۔

باب ہال بیل مانٹ (میساچوسیٹس) میں رہتا ہے۔ اس نے یہ کارنامہ ۱۹۷۹ء میں انجام دیا۔ اپنے سفر کے دوران اس نے اس وقت کے امریکی صدر جمی کارٹر اور اسپیکر ٹپ اونیل سے ملاقات کی۔ اہم شخصیت کی حیثیت سے ایوانِ صدر (وہائٹ ہاؤس) کا دورہ کیا اور نیویارک میں امریکا کے ممتاز ٹیلے ویژن پروگرام "گڈ مارننگ امریکا" میں شریک ہوا۔ ان تمام باتوں کے علاوہ اس نے بچّوں کے سرطان کی تحقیق کے لیے صدر جمی کے فنڈ کے لیے ایک لاکھ ڈالر کی بڑی رقم اکھٹی کرنے میں زبردست حصّہ لیا۔ اس نے یہ کارنامہ انجام دے کر اپنے جیسے تمام معذوروں کی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا اور یہ ثابت کر دکھایا کہ "پہیّا کرسی" کے ذریعہ سے بھی کھیل کود کے مقابلے ہو سکتے ہیں۔

ہائی اسکول میں پڑھائی کے دوران بوب نے "پہیّا کرسی" کے ذریعہ سے کھیلوں کے مقابلے میں حصّہ لیا۔ کالج میں اس نے پہیّا کرسی کے ذریعہ سے سفر کا سلسلہ شروع کیا اور باسکٹ بال کے مقابلوں میں شرکت کی۔ ان کامیابیوں نے اس کی ہمّت بڑھائی اور اس نے پہیّا کرسی کی ریس کی تیاریاں شروع کر دیں۔

۱۹۷۴ء میں اس نے ایک میل کی دوڑ میں قومی ریکارڈ قائم کیا اور زبردست تیاریوں کے بعد ۱۹۷۵ء میں بوسٹن کی "میراتھن ریس" دو گھنٹے اٹھاون منٹ میں پوری کی۔

ان کامیابیوں کے بعد اس نے فلوریڈا سے میساچوسیٹس تک دوڑ لگائی۔ اس مقابلے میں اس کے دو دوست بھی اس کے ساتھ دوڑتے رہے۔ یہ لوگ ہر صبح ساڑھے چھے بجے اپنی دوڑ کا آغاز کرتے اور ایک دن میں تقریباً چالیس میل کا فاصلہ طے کرتے۔ بعض اوقات وہ سات گھنٹوں تک دوڑتے۔ اس مقابلے کے چوتھے روز انھیں برف باری کے دوران اونچی پہاڑی پر چڑھنا پڑا۔ انھیں 'اور لینڈو' فلاڈلفیا میں سخت سردی کا سامنا کرنا پڑا۔

بوب اور اس کے دوست ڈیو نے اوسطاً ساڑھے سات سے آٹھ منٹ میں ایک میل کا فاصلہ طے کیا۔ ان کی رفتار سب سے زیادہ جارجیا میں تھی، جہاں وہ سترہ میل فی گھنٹے کی رفتار سے دوڑے۔ ورجینیا میں پہاڑی علاقے کی وجہ سے وہ دس منٹ میں صرف ایک میل کا فاصلہ طے کر سکے۔ بوب پر اس دوڑ کے دوران مایوسی اور افسردگی کی کیفیات بھی طاری رہیں۔ کئی بار ہمت جواب دے گئی۔ جی میں یہی آئی کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گھر سدھارو، لیکن ہر بار اس نے ہمت سے کام لے کر مایوسی کو مار بھگایا اور آخر اپنی منزلِ مقصود پر جا پہنچا، جہاں ۳۰ ہزار تماشائیوں نے ایک پارک میں تالیاں بجا بجا کر اس کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔

۱۵۲۰ میل کی دوڑ مکمل کرنے والے اس معذور، لیکن حوصلہ مند انسان کے مطابق اُسے یہ کامیابی محض ہمت اور تربیت کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ بہ قول اس کے محنت اور مسلسل مشق کا اصول کامیابی کی راہیں کھول دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے "میں دن میں دو بار آٹھ سے بارہ میل کا فاصلہ طے کرتا ہوں اور ہفتے میں ایک بار بیس میل لمبی دوڑ لگاتا ہوں۔ میں نے اپنی جسمانی توانائی میں اضافے کی کوشش بھی کی، کیوں کہ پہیا کرسی کی دوڑ کے لیے توانائی کی ضرورت ہوتی ہے۔"

بوب ہال کا اپنا کاروبار ہے۔ وہ "ہالزو ہیلز" کے نام سے پہیا کرسیاں بناتا ہے۔ یہ گاڑیاں محض دوڑ کے لیے نہیں ہوتیں بلکہ معذور لوگوں کے روزمرہ استعمال کے لیے بھی ہوتی ہیں۔

بجلی

ضیاء الحسن ضیاء

بجلی ہم سب کے کام آتی ہے
اپنے کرتب ہمیں دکھاتی ہے
قمقمے اس سے جھل ملاتے ہیں
روشنی ہر طرف لٹاتے ہیں
کارخانوں کی شان ہے اس سے
اور مشینوں میں جان ہے اس سے
اس سے پنکھے چلائے جاتے ہیں
ریڈیو بھی بجائے جاتے ہیں
ہاتھ سے کام دیر میں ہوتا
آدمی وقت کس قدر کھوتا
اس سے ہیٹر ذرا جو گرمائے
چند لمحوں میں کھانا پک جائے
یہ نہ ہوتی تو دیکھتے کیسے
ٹیلے وژن پہ لوگ ہم، ایسے
بجلی ہوتی یہاں نہ گر بچّو
جگ مگاتے نہ بام و در بچّو

بلّی کا محل

کسی زمانے میں ایک بوڑھا ساچکّی والا رہا کرتا تھا۔ اس کے بیوی بچّے نہیں تھے۔ اس کی چکّی پر تین نوعمر لڑکے چکّی چلانے کا کام سیکھا کرتے تھے۔ ان کے نام جانو، پترو اور ہنس تھے۔ ایک دن اس چکّی والے کو خیال آیا کہ اب وہ بہت بوڑھا ہو گیا ہے اور وہ ان لوگوں کے ساتھ مل کر زیادہ دن کام نہیں کر سکے گا۔ اس نے سوچا کہ چکّی کو اپنے ایک شاگرد کے سپرد کر دے، مگر کس شاگرد کے؟ اسے تینوں میں سے کسی ایک شاگرد کا انتخاب کرنا تھا۔ اس کے لیے چکّی کے مالک نے ایک امتحان لینے کا فیصلہ کیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کون سا شاگرد اس کام کے لیے زیادہ موزوں ہو گا۔ اس لیے ایک دن اس نے تینوں شاگردوں کو جمع کر کے کہا:

"میں چاہتا ہوں کہ آپ تینوں دنیا میں گھومیں پھریں اور میرے لیے ایک گھوڑا لے کر آئیں۔ جو لڑکا میرے لیے سب سے اچھا گھوڑا لائے گا۔ اُسے چکّی دے دی جائے گی۔"

یہ سُن کر تینوں نوجوان شاگرد ایک ساتھ وہاں سے چل دیے۔ جانو اور پترو سوچنے لگے کہ ہمارا تیسرا ساتھی ہنس ہم سے چھوٹا ہے اور بہت آہستہ چلتا ہے۔ اس سے چھٹکارا پانا چاہیے۔ ایک دن جب ہنس اور وہ لوگ ایک غار میں سوتے تو دونوں بڑے لڑکے ہنس کو دھوکا دے کر وہیں سوتا ہوا چھوڑ کر چل دیے۔

دوسرے دن صبح جب ہنس کی آنکھ کھلی تو خود کو غار میں تنہا دیکھ کر وہ بہت حیران ہوا۔ وہ پریشان ہونے لگا کہ اس کے بڑے ساتھی آخر کہاں چلے گئے تھے؟ آخر وہ سمجھ گیا کہ اب وہ تنہا رہ گیا ہے اور اب اسے اکیلے ہی کوشش کر کے کوئی اچھا سا گھوڑا تلاش کرنا ہو گا؟ وہ اُٹھ بیٹھا اور قریب کے ایک چشمے پر جا کر اس نے اچھی طرح ہاتھ

منھ دھولیا۔ اس کے پاس کچھ روٹیاں اور تھوڑا سا پنیر تھا۔ کھا پی کر ہنس نے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے راستے پر چل پڑا۔

جب وہ چلتے چلتے ایک جنگل میں سے گزرا تو اس نے ایک اونچے سے درخت پر ایک بہت پیاری سی سیاہ و سفید بلّی کو دیکھا جو چمک دار ہری آنکھوں سے درخت کی شاخوں میں سے نیچے منھ کر کے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جب ہنس اس درخت کے نیچے پہنچ گیا تو سر اُٹھا کر بلّی کی طرف پیار سے دیکھنے لگا۔

"تمھیں آج کا دن مبارک ہو ہنس!" بلّی نرم اور میٹھی آواز میں بولی۔

ہنس بلّی کو باتیں کرتے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ ایسی کسی بات کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ہنس نے کبھی یہ سُنا بھی نہیں تھا کہ بلّیاں بھی انسانوں کی طرح باتیں کر سکتی ہیں، اس لیے اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ بلّی پھر بولی، "تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ میں کوئی عام سی بلّی نہیں ہوں۔ میں اس سے بھی واقف ہوں کہ تمھیں کس چیز کی تلاش ہے، اگر تم میرے لیے ایک سال ایک دن کام کرو تو میں ایک اچھا

سا گھوڑا تمھیں دے سکتی ہوں۔"

بڑی دیر تک ہنس اس بلّی کی اس پیش کش پر غور کرتا رہا۔ آخر وہ اس کی تجویز سے متفق ہو گیا اور وہ دونوں اب وہاں سے چل پڑے۔ بلّی آگے آگے جا رہی تھی۔ ہنس اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ چلتے چلتے وہ جنگل کے ایک صاف ستھرے حصّے میں ایک مکان کے اندر پہنچ گئے۔ بلّی اس سے کہنے لگی، "اب تم کل تک آرام کرو۔ آج کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں میرے ملازم تمھارے لیے کھانے پینے اور کپڑوں کا انتظام کر دیں گے اور وہ لوگ تمھاری خاطر مدارات اچھی طرح کریں گے۔"

اس سے پہلے کہ ہنس اس مہربان بلّی کا شکریہ ادا کرنے کے لیے منھ کھولتا بلّی اچانک غائب ہو گئی مگر بہت ساری چھوٹی چھوٹی بلّیاں وہاں نظر آنے لگیں۔ انھوں نے جلدی جلدی پُر تکلف کھانے کا انتظام کرنا شروع کر دیا۔

جب ہنس کھانا کھانے لگا تو چھوٹی بلّیاں موسیقی کے بہت سے آلات لے آئیں اور ذرا سی دیر میں کھانے کا کمرا خوش گوار موسیقی سے گونجنے لگا۔ رات کو جب سونے کا وقت آیا تو چھوٹی بلّیاں بہت سی موم بتیاں لے آئیں اور ان کی روشنی میں ہنس کو خواب گاہ تک پہنچا آئیں۔ واپس جانے سے پہلے ان چھوٹی بلّیوں نے اسے شب بخیر کہا اور پھر زینے سے چڑھ کر اوپر والی چھت پر چلی گئیں۔ دوسرے دن جب ہنس شان دار قسم کے کھانے سے فارغ ہو گیا تو ایک بار پھر وہی بلّی وہاں پہنچ گئی۔ عجیب و غریب بلّی نے ہنس کو اس وقت ایک تیز دھار والی کلہاڑی، چاندی کی ایک آری اور تانبے کی ایک موگری دی اور کہا کہ ان چیزوں سے تم لکڑی کے کندوں اور گدّوں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں پھاڑ دو۔

دن گزرتے رہے اور ہنس وہاں رہ کر برابر لکڑیاں کاٹتا رہا۔ وہاں اسے اس پیاری سی بلّی یا اس کی ملازم چھوٹی بلّیوں کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ ایک دن اس بلّی نے ہنس کو بُلایا اور اسے چاندی کی ایک درانتی اور سونے کی ٹوکری دی جس سے گھاس اٹھائی جاتی ہے۔ پھر کہنے لگی،

"یہ وقت چراگاہوں میں خشک گھاس کاٹنے کا ہے۔ یاد رکھو کہ خشک گھاس

گھوڑے بہت پسند کرتے ہیں۔"

"یہ تو بالکل صحیح ہے۔" ہنس نے بھی بلّی کی تائید کی۔ وہ اس بات سے بہت خوش تھا کہ بلّی کو گھوڑے والی بات یاد تھی اور اس نے گھوڑے کا ذکر کیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اپنی بات پر قائم رہے گی۔ اگر اس نے عمدگی کے ساتھ اس کا کام کیا تو بلّی ضرور اسے کوئی اچھا سا گھوڑا انعام کے طور پر دے گی۔ وہ جی لگا کر سخت محنت کرتا رہا۔ موسم گرما گزر گیا، مگر بلّی کو اپنے وعدے کا خیال نہیں آیا اور اس نے ہنس کو گھوڑا دینے کے بارے میں پھر کوئی ذکر بھی نہیں کیا۔ بلّی جس کام کے لیے بھی ہنس سے کہتی وہ فوراً اس کام میں لگ جاتا تھا۔ اب وہ دونوں ہاتھوں سے سخت محنت کرنے کا عادی ہو گیا تھا۔ ایک دن وہ بلّی سے کہنے لگا،

"محترمہ بلّی صاحبہ! آپ اپنے وعدے کے مطابق کب تک گھوڑا مجھے دیں گی؟"

"جلدی، بہت جلدی۔" بلّی نے اپنا وعدہ دہرایا۔ "بس تم میرے لیے ایک چھوٹا سا مکان بنا دو، پھر گھوڑا تمھارا ہوا۔"

ہنس بے حد مسرور تھا، کیوں کہ بلّی کا یہ آخری وعدہ تھا۔ اب ہنس ایک اچھا، مضبوط مگر چھوٹا سا مکان تعمیر کر رہا تھا۔ اس نے اس مکان کی چھت کو موسم کے اثرات سے بچانے کا انتظام رکھا تھا۔ کھڑکیاں اس طرح لگائی تھیں کہ ہوا اور دھوپ کا گزر مناسب طور پر ہو۔ ایک چھوٹا سا پائیں باغ بھی رکھا تھا۔ اس کے درمیان ایک چھوٹا سا نہانے کا تالاب بھی بنایا گیا تھا۔ چھوٹی بلّیاں ہنس کی مدد کیا کرتی تھیں۔ وہ تعمیراتی سامان ڈھویا کرتیں اور تعمیر کے دوران سامان اُٹھا کر دیا کرتی تھیں۔ جب مکان کی تعمیر کا کام مکمل ہو گیا تو مکان اتنا خوب صورت اور مکمل تھا کہ ہنس اسے دیکھ کر خود بھی بے حد خوش ہوا وہ اپنے کام سے پوری طرح مطمئن تھا۔

جب وہ خاص بلّی اس مکان کو دیکھنے وہاں پہنچی اور اپنی چمک دار ہری ہری آنکھوں سے اس مکان کا جائزہ لیا تو مکان کو دیکھ کر اس کی آنکھیں خوشی سے اور بھی چمکنے لگیں۔ وہ خوشی سے خُرخُر کرنے لگی۔ پھر ہنس کی طرف مخاطب ہوئی۔

"تم نے واقعی کمال کیا ہے ہنس۔ اب وقت آگیا ہے کہ تم میرے اصطبل میں جاؤ اور

وہاں گھوڑوں کو دیکھو۔" ہنس بلّی کے ساتھ چلتا ہوا اس کے اصطبل میں پہنچ گیا۔ وہاں پر اعلا نسل کے بارہ گھوڑے موجود تھے۔ یہ اتنے شان دار تھے کہ ہنس انھیں دیکھتا ہی رہ گیا اور وہ بڑی حیرت سے ان گھوڑوں کو دیکھ رہا تھا۔ ہر گھوڑا دوسرے گھوڑے سے زیادہ شان دار لگ رہا تھا۔ ہنس اس وقت بہت خوش تھا۔

"ان میں سے ایک گھوڑا میرا ہے۔" وہ بڑے چاؤ سے کہنے لگا، مگر اس کی بات سُن کر بلّی نے کوئی اطمینان بخش بات نہیں کی۔ پھر ہنس کو مخاطب کر کے کہنے لگی، "تم اُس چکّی پر واپس جاؤ، تین دن بعد تمھارا انعام وہیں پہنچ جائے گا۔" پھر وہ گھوڑوں کو دانا گھاس دینے لگی اور پانی پلانے لگی، تاہم اب ہنس ایک حد تک مطمئن ہو چکا تھا۔

جب ہنس اس چکّی پر پہنچا تو بہت ہی اداس ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت وہی پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھا جو چکّی سے جاتے وقت اس کے بدن پر تھے۔ وہ خالی ہاتھ واپس آیا تھا۔ اس کے پاس کوئی گھوڑا نہیں تھا۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا اور بھوکا بھی تھا۔ اس کے کپڑے بُری طرح گندے ہو گئے تھے۔ جب وہ چکّی کے دروازے پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کے بڑے ساتھی شاگرد جانو اور پترو چکّی کے مالک سے باتیں کر رہے تھے۔ جوں ہی ان لوگوں نے ہنس کو آتے دیکھا، اُس کے ساتھی ایک دَم سے کہنے لگے، "ہنس تمھارا گھوڑا کہاں ہے؟"

"وہ یہاں کل تک پہنچ جائے گا۔" ہنس نے جواب دیا۔ البتہ اسے خوف اور وہم بھی تھا کہ شاید بلّی وعدہ خلافی کر بیٹھے۔ اس وقت پترو کہنے لگا:

"تمھارا گھوڑا اچھا ہونا چاہیے۔ اب یہی ایک صورت باقی رہ گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا گھوڑا لنگڑا ہے اور جانو کا گھوڑا اندھا۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ ہمارے پاس کم سے کم گھوڑے تو ہیں۔"

چکّی والا ہنس سے کہنے لگا کہ دیکھو جانو اور پترو دونوں اچھے لباس پہنے ہوئے ہیں۔ تمھیں شرم آنی چاہیے۔ دیکھو تمھارے کپڑے کتنے گندے ہیں۔ تم میری صاف ستھری چکّی میں بہت حقیر آدمی معلوم ہو گے، وہ جگہ تمھارے لیے مناسب نہیں ہے۔ آج رات تم کو سائبان میں گزارا کرنا چاہیے۔ کل میں فیصلہ کروں گا کہ چکّی کس کے سپرد کی جائے؟

اپنے استاد کے حکم کے مطابق وہ پوری رات ہنس نے سائبان میں پیال کے بستر پر سوتے جاگتے گزاری۔ صبح کو جب سائبان والے احاطے کے دروازے کو کسی نے کھٹکھٹایا تو ہنس جاگ گیا۔ اس نے دروازہ کھولا تو اس کے سامنے ایک آدمی کھڑا تھا۔ وہ فوج کا پیادہ سپاہی معلوم ہو رہا تھا۔ "ان کپڑوں کو پہن لو اور باہر آجاؤ"، وہ شخص تحکمانہ انداز میں بولا۔ ہنس نے وہ اعلا درجے کا لباس خوشی خوشی پہنا۔ وہ بڑے ناز کے ساتھ نہایا تھا۔ قیمتی لباس اور نرم چمڑے کے جوتے پہن کر وہ جلدی سے باہر نکل آیا۔ اس وقت چکّی کا مالک ایک خوب صورت دوشیزہ کی مدد سے اپنی نشست سے اُٹھ بیٹھا تھا۔ جانو اور پترو اس اعلا نسل کے شان دار گھوڑے کو دیکھ رہے تھے جس کی لگام پیادہ سپاہی تھامے کھڑا تھا۔ نوجوان لڑکی ہنس کو دیکھ کر بولی:

"یہ رہا تمھارا گھوڑا ہنس۔ اب تم یہ بازی جیت گئے ہو۔ تم چکّی کے مالک بن چکے ہو، لیکن اگر تم چاہو تو میرے ساتھ واپس میرے گھر بھی چل سکتے ہو۔" اس لڑکی کی خوب صورتی سے ہنس بے حد متاثر ہوا۔ وہ مبہوت سا رہ گیا۔ پھر وہ لڑکی سے پوچھنے لگا:

"محترم خاتون، آپ کون ہیں؟"

"کیا تم نے مجھے نہیں پہچانا؟" وہ کہنے لگی۔ ہنسنے سے اس کی سبزی مائل آنکھیں کچھ اور بھی چمکنے لگیں، "میں وہی بلّی ہوں جو تمھیں جنگل میں ملی تھی۔ دراصل ایک ظالم پری ایک دن ہماری طرف آئی تھی، اُس نے میری ایک شرارت کی وجہ سے مجھے لڑکی سے بلّی بنا دیا تھا۔ اور کہا تھا کہ اگر کوئی نوجوان ایک سال ایک دن تک میرے لیے کام کرے گا تو میں پھر سے انسان کی صورت میں آجاؤں گی۔ اب وہ شرط پوری ہو چکی ہے، اس لیے اب میں اپنی اصل حالت میں آچکی ہوں۔ میں دراصل ایک بڑے باپ کی بیٹی ہوں اور میرے والدین نے مجھے یہ اجازت دے رکھی ہے کہ میں جس شخص کے ساتھ چاہوں شادی کر سکتی ہوں۔

ہنس لڑکی کی باتیں سُن کر بہت خوش ہوا۔ پھر وہ چکّی والے سے کہنے لگا، "آپ یہ گھوڑا لے لیں جناب، جانو اور پترو اب اس چکّی کے مالک ہوں گے۔ اب میں اس لڑکی سے شادی کر کے اس مکان میں رہا کروں گا جو میں نے اس لڑکی کے لیے تعمیر کیا تھا۔ یہ مکان ہمارے لیے محل کے برابر ہے۔

اخبار نونہال

قبر تک کھود لی گئی

امریکا کے مشہور جنرل منٹگمری پہلی جنگِ عظیم میں اس قدر شدید زخمی ہو گیا تھا کہ اس کے لیے قبر تک کھود لی گئی، مگر دوسری جنگِ عظیم میں وہ سب سے بڑا جنرل ہوا۔

مرسلہ: مظفر علی قریشی، روہڑی

پندرہ منٹ کا بادشاہ

فرانس کا بادشاہ لوئی دہم ۲۔ اگست ۱۹۳۰ء کو صرف پندرہ منٹ کے لیے بادشاہ بنا۔ دنیا بھر میں اب تک یہ کسی بھی بادشاہ کا سب سے کم دورِ حکومت تھا۔

مرسلہ: محبوب عالم شاہین، ہارون آباد

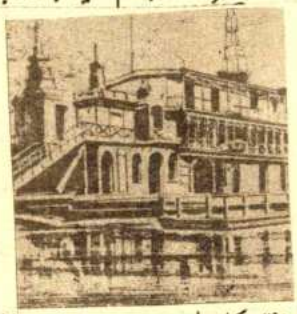

تیرتا ہوا قلعہ

امریکا کی ریاست منی سوٹا میں ایک جھیل پیپسین ہے۔ اس جھیل کی سطحِ آب پر ایک بہت بڑی کشتی میں قلعہ نما مکان بنا ہوا ہے، جو اِدھر سے اُدھر تیرتا پھرتا ہے۔ اس جھیل میں شدید طوفان آتے تھے۔ جس سے کشتیاں اور بجرے غرق ہو جاتے تھے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ تیرتا ہوا قلعہ کلی طور پر تیرتے ہوئے جہازوں اور کشتیوں کے ساز و سامان سے تعمیر کیا گیا ہے اور جو ایک عرصے سے محفوظ چلا آ رہا ہے۔ لوگ اس میں بیٹھ کر سیر کا لطف اُٹھاتے ہیں۔

مرسلہ: مونا عروج بٹ، لاہور

صحت مند نونہال

ابرار احمد صابر، کراچی | عمران احسان | راشد چراغ، کراچی | محمد رحیم، کراچی | غلام رسول خان نیازی، دریا آباد

صلاح الدین ذکی، جہلم | کاشف محمود، کراچی | پرنس نثار احمد خان، کراچی | عابد حسن امام، کراچی | غلام محمد

شیر رحمٰن، کراچی | خالد احسن، کراچی | فرخ احمد، کراچی | کامران سلیم، حیدر آباد

آدمی خچّر بن گیا

علی اسد

بہت دن ہوئے اسپین میں ایک لڑکا بے حد غریب تھا۔ وہ رُپیہ حاصل کرنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ اس نے اپنے دوستوں کو اکھٹّا کیا اور سب مل کر رات بھر رُپیہ حاصل کرنے کی باتیں کرتے رہے۔ آخر اس لڑکے کو ایک ترکیب سوجھ گئی۔ اس لڑکے کا نام تھا جان ریورس۔ وہ بولا، "دوستو! آج تم جس کو دیکھ رہے ہو وہ کل اسپین کے سب سے بڑے رئیس کا بیٹا بن جائے گا۔" یہ سُن کر سب لڑکے ہنسنے لگے۔ جب قہقہے ختم ہوئے تو وہ سنجیدہ ہو گیا مگر کسی کو اور

چاروں دوست رُپیہ حاصل کرنے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔

کوئی بات نہیں بتائی۔ کہنے لگا، "اگر تم لوگ کل تک صبر سے کام لوگے تو کل شام کو میں تمھیں ایسا قصّہ سناؤں گا جس کو سُن کر تم سب بے حد خوش ہو جاؤ گے۔"

دوسرے دن جان ریورس اپنے دوست کارلوس کو لے کر سڑک پر روانہ ہو گیا اور ایسے آدمی کا انتظار کرنے لگا جو اپنے خچّروں کو لیے ہوئے اِدھر سے گزرے۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک آدمی خچّر پر سوار اپنے پیچھے کئی خچّروں کو لیے ہوئے اِدھر سے گزرے۔ جان ریورس نے اگلے خچّروں کو گزر جانے دیا اور آخری خچّر کو پکڑ کر اپنے دوست کارلوس کے حوالے کر دیا جو جھاڑی میں چھپا ہوا تھا۔ پھر بولا، "اس خچر کو لے جاؤ اور بازار میں بیچ ڈالو۔ رات کو چارے خانے میں جب سب اکٹھے ہوں گے تو وہاں رُپے دے دینا۔" اتنا کہہ کر اس نے خچّر کی زین لگام اپنی پیٹھ پر رکھ لی اور دوسرے خچّروں کے پیچھے اس طرح چلنے لگا جیسے وہ بھی ایک خچّر ہو۔

گرمیوں کے دن تھے۔ خچّر والا اپنے خچر پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ آدھے گھنٹے تک اس کو پتا نہیں چلا، مگر اس کے بعد جب سب خچّر رُک گئے تو اسے اس کا احساس ہوا۔ دراصل یہ کام بھی جان ریورس کا تھا جو اپنے منصوبے کے دوسرے مرحلے کو عملی جامہ پہنانے والا تھا۔ خچّر والا خچّروں پر چلّایا، "چلو آگے بڑھو بے وقوف جانورو! میں دن بھر برباد نہیں کر سکتا۔ اتنا کہہ کر اس نے اپنے خچّر کو لکڑی ماری، مگر خچّر اب بھی نہیں چلے۔ بات یہ تھی کہ سب خچّر ایک دوسرے سے بندھے ہوئے تھے اور جان ریورس پچھلے خچّر کی لگام تھامے ہوئے تھا۔ چناں چہ خچّر والا اپنے خچّر سے اُتر پڑا اور پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ آخری خچّر کی جگہ ایک آدمی موجود ہے اور زین لگام اس کی پیٹھ پر رکھی ہوئی ہے۔

"نوجوان، تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ چلّایا۔

اس پر جان ریورس بولا، "تم کوئی بھوت پریت کو نہیں دیکھ رہے ہو۔ بلکہ حقیقت کو دیکھ رہے ہو۔ میں اب تمھارا خچّر نہیں ہوں جس کو تم نہایت بے رحمی سے مارتے رہتے تھے۔ میں اب اپنی اصلی شکل میں واپس آ گیا ہوں۔" خچر والا بوکھلا کر بولا، "مگر.... مگر.... کیا.... مطلب ہے تمھارا؟" اس پر لڑکا بولا، "میرے دوست! بات یہ ہے کہ میں نے بہت سے گناہ کر ڈالے تھے، لہٰذا خدا نے مجھے چند برسوں کے لیے خچر بنا دیا تھا۔ اب میں اپنی سزا پوری کر چکا ہوں، لہٰذا اپنی اصلی شکل میں تبدیل ہو گیا ہوں۔"

"مگر میرا خچر کہاں ہے؟ میں نے اسے چند برس قبل سو رُپے میں خریدا تھا۔"

اس پر جان بولا، "تمھارے لیے تو یہ بات چند برس کی ہے مگر میرے لیے تو قیامت آگئی۔ میری بات کو سمجھو۔ میں ہی تمھارا وہ خچر ہوں۔ اب میں انسانی شکل میں آگیا ہوں۔ کاش میں تم کو بتا سکتا کہ اس عرصے میں مجھ کو کتنی اذیت ہوئی۔ تم مجھ کو گالیاں دیتے رہے، مارتے رہے، مگر وہ تو میرے گناہوں کی سزا تھی جو میں بھگت چکا۔"

خچر والا حیران ہو کر بولا، "یہ تو بڑی عجیب بات ہے..... مگر معلوم ہوتا ہے کہ تم ہی میرے خچر رہے ہو گے۔ میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ اس خچر میں کوئی بات ہے۔"

لڑکا بولا، "اچھا اب دیر نہ کرو۔ جلدی سے یہ زین لگام اُتار دو۔ بس بہت ہو چکی تمھاری غلامی۔ سر سے پیر تک میں زخمی ہو گیا۔ بہرحال اب یہ قصّہ ختم ہوا۔ اب تم ہمیشہ یہ کہہ سکو گے کہ اسپین کے سب سے بڑے رئیس کا بیٹا تمھارے پاس خچر کی طرح کام کرتا رہا اور اب اس کو اس

خچر والا حیران تھا کہ آخری خچر کی جگہ آدمی کہاں سے آگیا۔

کی دولت اور عزت واپس مل گئی ہے۔

یہ سن کر خچر والا گھبرا کر بولا، "تو کیا آپ دولت مند آدمی ہیں؟ ارے حضور! میری ان خطاؤں کو معاف کریں جو آپ کے خچر ہونے والے زمانے میں مجھ سے سرزد ہو گئیں۔ خدا کے واسطے مجھے گرفتار نہ کروا دیجیے گا۔ میں نے آپ کو بہت سی ٹھوکریں ماریں۔ معاف کر دیجیے!"

لڑکا بولا، "نہیں، نہیں، تم بالکل نہ گھبراؤ۔ تم کو بھلا کہاں معلوم تھا کہ میں خچر نہیں ہوں۔ اس میں تمھاری کوئی خطا نہیں۔ جاؤ میں نے تم کو معاف کیا۔ میں نے غلطی کی تھی، لہٰذا مجھے اس کی سزا مل گئی۔ اب اگر میں تم سے بدلا لوں گا تو یہ بات خدا کو اچھی نہیں لگے گی اس کو تم اب بالکل ہی بھول جاؤ۔"

خچر والا ہاتھ جوڑ کر بولا، "تو حضور نے واقعی مجھ کو معاف کر دیا؟ خدا آپ کو خوش رکھے۔" لڑکا بولا، "مجھے یہ خیال کر کے بڑی خوشی ہے کہ میرے امیر دوستوں کو یہ قطعی معلوم نہ ہو سکے گا کہ اتنے برسوں میں مجھ پر کیا گزری۔ تم بھی اس بات کو کسی سے نہ کہنا۔ وعدہ کرو۔" خچر والا بولا، "میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ بات کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ اچھا حضور، خدا حافظ۔"

چناں چہ اس طرح سے یہ دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ خچر والا اس واقعے پر حیرت کرتا رہا اور جان ریورس اپنے دوستوں کے پاس پہنچا۔ خچر بیچ کر جو رقم حاصل ہوئی تھی۔ اس سے ان سب لڑکوں نے خوب خوب دعوتیں اڑائیں اور خوب ہنستے رہے۔

چند ہفتوں کے بعد خچر والا بازار گیا تاکہ ایک اور خچر خریدے۔ خچروں کو نیلام کرنے والے نے جو خچر والے کو دیکھا تو اس سے پوچھا کہ وہ خچر کیا ہوا۔ اس پر خچر والا بولا، "میں نے اسے چند ذاتی وجوہ کی بنا پر علاحدہ کر دیا۔" نیلام کرنے والے نے کہا، "بہرحال تمھاری مرضی، لیکن اگر تم اسی خچر کو پھر خریدنا چاہو تو وہ دیکھو وہاں کھڑا ہے۔ تم تو اس کو پہچان لو گے۔"

خچر والے نے اپنے خچر کو فوراً پہچان لیا اور آہستہ سے بولا، "ہاں، ہاں، یہ تو وہی خچر ہے۔" پھر وہ اس کے پاس گیا اور اس سے کہا، "حضور، خدا ہی جانے آپ نے پھر کون سا گناہ کر ڈالا جو آپ پھر خچر بنا دیے گئے۔ بہرحال۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں آپ کو خرید لوں گا اور اس بار میں آپ کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کروں گا۔"

قرض

شاکر عثمانی

صاحب، ارے او صاحب داد، کہاں چلا گیا سائیں۔ اپنے مخصوص انداز میں اللہ دینو بیٹے کو پکارنے لگا۔ وہ کھیتوں پر جا رہا تھا اور صاحب داد کو ضروری کاموں کے بارے میں کچھ ہدایات دینا چاہتا تھا۔

"بابا کیا ہے؟ کسے بُلا رہا ہے؟" چھوٹی الماسو وہاں آکر پوچھنے لگی۔

"نہ جانے یہ صاحب داد کہاں ہے؟ میں تو اب جا رہا ہوں الماسو۔ تو صاحب داد سے کہہ دینا جب روٹی لے کر آئے تو اپنے چاچا کرمو کو بھی ساتھ لیتا آوے۔"

"اچھا بابا، میں بھیا کو بتا دوں گی۔"

الماسو نے باپ کو یقین دلایا۔ صاحب داد کا پتا نہیں چلا تو مجبوراً اللہ دینو بیلوں کی طرف بڑھ گیا۔ بیل اسے دیکھ کر خوشی سے سر ہلانے لگے۔ ان کے گلے میں پڑی ہوئی گھنٹیاں بج اُٹھیں۔ گیارہ بارہ سال کی لڑکی الماسو دُور سے بابا کو سُدھارتے دیکھ رہی تھی۔ وہ روزانہ اللہ دینو کو خدا حافظ کہنے کے لیے جاتے وقت اسی طرح پاس آکر کھڑی ہو جاتی تھی، مگر اپنے منھ سے کچھ بھی نہیں کہتی تھی۔ دل ہی دل میں بابا کے لیے دعائیں کیا کرتی تھی۔ صاحب داد تین چار سال عمر میں اس سے بڑا تھا۔ الماسو کے بعد اس کے تین چھوٹے بھائی تھے اور دو ننھی منّی سی بہنیں تھیں۔ سات بچوں اور بوڑھے ماں باپ کا بوجھ اللہ دینو کے سر پر تھا۔ ایک رحمت بی بی تھی جو اپنے کام کاج نمٹا کر شوہر کا ہاتھ بٹایا کرتی تھی۔

اللہ دینو ہل کاندھے پر رکھ کر بیلوں کو ہانکتا ہوا کھیتوں کی طرف چل پڑا۔ اب تک وہ صاحب داد کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ نہ جانے کہاں چلا گیا؟ ابھی تو سورج بھی نہیں نکلا اور بیٹا غائب ہے۔ نہ جانے کن چکّروں میں رہتا ہے۔ کچھ دن سے ادھیڑ عمر کے اللہ دینو کو اپنے نوعمر بیٹے کی طرف سے شک رہنے لگا تھا۔ صاحب داد بڑا ذہین لڑکا تھا۔ گھر کا کام تو مستعدی سے کر لیا کرتا تھا مگر کاری

اسکول میں پڑھتا بھی تھا۔ پرائمری کلاسیں پاس کر کے اب مڈل اسکول میں آ گیا تھا۔ وہ ہر بات پر دل ہی دل میں غور کرتا رہتا تھا۔ کچھ دن سے صاحب داد نے آمدنی کا ایک چھوٹا سا ذریعہ تلاش کر لیا تھا۔ اس کا ایک کلاس فیلو رحیم تھا۔ رحیم کمہار کا بیٹا تھا۔ بس رحیم کے بابا سے ہی صاحب داد نے وقت نکال کر مٹی کے برتن اور کھلونے بنانا سیکھ لیا تھا۔ وہ گھر سے تو کھیل کے بہانے باہر جاتا۔ مگر سیدھا رحیم کے گھر پہنچ جاتا۔ رحیم کا بابا ایک مہربان آدمی تھا۔ اس نے چار دن کا کام دو دن میں اسے سکھا دیا۔ صاحب داد پیسے جمع کرتا رہا تھا۔ برابر والے گاؤں میں مٹی کے برتن بنانے والا چاک تیار کیا جاتا تھا۔ صاحب داد منھ اندھیرے ہی پڑوس کے گاؤں چلا گیا تھا۔

"ارے بھیّا، یہ کیا لے آیا؟" الماسو نے بھائی کے سر پر چاک دیکھ کر حیرت ظاہر کی۔ صاحب داد نے سر پر رکھا ہوا چاک اُتار کر احتیاط سے زمین پر رکھ دیا۔ گھر کے باہر ایک چھوٹا سا میدان تھا۔ اس میں نیم کا درخت بھی تھا۔ اس درخت کی چھاؤں دُور تک رہا کرتی تھی۔ چاک کو فٹ کر کے صاحب داد مسکرانے لگا۔ "اری الماسو، جانتی ہے یہ کیا ہے؟" پھر وہ خود ہی بتانے لگا، "پگلی، یہ چاک ہے۔ کمہار والا چاک۔ میں اس سے تیرے لیے کھلونے بناؤں گا۔ اس پر مٹی کی گڑیاں بھی بن سکتی ہیں۔"

اس بات پر تو الماسو کو بھی مزہ آ گیا۔ جھٹ سے بولی، "بھیّا، گڑیاں تو کمہار بناتا ہے۔ تُو کیسے بنا سکتا ہے؟" الماسو کو بڑی حیرت ہو رہی تھی۔

"الماسو، دیکھ اِدھر آ۔" وہ بہن کو چاک کے پاس لے گیا۔ پھر بولا، "یہ چاک میں نے اپنی نگرانی میں بلال کا کا سے بنوایا ہے۔ وہ سب سے اچھا چاک بناتے ہیں۔ میں رحیم کے بابا سے یہ کام سیکھ چکا ہوں۔ اب تو دیکھنا۔ کچھ دن میں ہی کیا کمال دکھاتا ہوں؟ میں گھر کا نقشہ بدل دوں گا۔ کچھ دن بعد بابا سائیں کو زمیں دار سائیں کی چاکری سے بھی نجات مل جائے گی۔"

الماسو کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ بھیّا کی باتیں وہ اس کی من چلی فطرت کے مطابق گپ شپ سمجھی مگر وہ چاک دیکھ کر واقعی بہت خوش تھا۔ صاحب داد نے یوں ہی چاک کو گھما کر بھی دکھا دیا۔ اس طرح الماسو یہ تو سمجھ گئی کہ صاحب داد واقعی کمہار کا کام سیکھ چکا ہے مگر وہ گھر کا نقشہ کس طرح بدلے گا؟ کس طرح وہ بابا کو سائیں زمین دار سے نجات دلا دے گا۔ یہ باتیں اس کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔ پھر اچانک الماسو کو بابا کی بات یاد آ گئی۔ وہ ایک دَم اُٹھ کر بولی، "بھیّا، بابا نے جاتے وقت تمھیں بہت ڈھونڈا۔ اب بابا کہہ کر گیا ہے کہ جب تم اس کی روٹی لے کر جاؤ تو

چاچا کریمو کو ساتھ لیتے جانا۔"

"ہاں ہاں لیتا جاؤں گا ری۔" خوشی سے مست صاحب داد نے بہن کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ اور اب وہ پہلے سے جمع کی ہوئی مٹی کو تیار کرنے لگا۔ الماسو اسے دیکھتی رہی۔ اسی وقت منّی نے آکر بتایا کہ ماما بھیّا کو بُلا رہی ہے۔ وہ لوگ ماں کو ماما کہا کرتے تھے۔ صاحب داد ماما کو سب سے زیادہ چاہتا تھا اس نے جھٹ سے کام بند کیا۔ گیلی مٹی ہاتھوں سے چپٹ گئی تھی اس لیے صاحب داد نے پہلے اچھی طرح ہاتھ دھو کر صاف کیے۔ پھر ہاتھ خشک کر کے بہنوں کے ساتھ اندر چلا گیا۔ دو کچّی کوٹھریوں کے درمیان ایک چھپّر دروازے سے داخل ہوتے ہی نظر آجاتا تھا۔ ماما نے ساری دیواروں کو لیپ پوت کر صاف ستھرا کر رکھا تھا۔ چھپّر میں نیچے ایک کوٹھری کی پشت پر ماما نے چولھا بنایا تھا۔ برتن بھانڈے رکھنے کے لیے مٹی کی بڑی سی بھٹی بھی بنائی تھی۔ اس کے دروازے پر لکڑی کے چھوٹے کواڑ لگائے گئے تھے۔ کام کاج کے بعد برتن صاف کر کے اس بھٹی نما چھوٹی کوٹھری میں رکھ دیے جاتے تھے۔ بچا کھچا کھانا بھی اس میں رکھا جاتا تھا۔ بھٹی پر ہوا جانے کے لیے سوراخ بھی رکھے گئے تھے۔ ماما اس وقت بھی

صاحب داد کا پتا نہیں چلا تو مجبوراً اللہ دینو بیلوں کی طرف بڑھ گیا۔

کام میں لگی ہوئی تھی۔

"میں آ گیا ماما، کیا بات ہے؟" وہ پاس جا کر ماں سے بولا۔

"گیا کہاں تھا صبح سے؟ تیرا بابا بھی پکارتا ہوا چلا گیا؟" ماما نے چولھا پھونکتے ہوئے سر اُٹھائے بغیر کہا۔ وہ ماما کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔

"ماما، بتا دوں گا، جلدی کیا ہے؟ لا کچھ کھانے کو تو دے دے۔"

اس کی میٹھی باتوں سے ماما کا دل پسیج گیا۔ یوں بھی اسے صاحب داد سے بڑی محبت تھی۔ اس نے جلدی سے گُڑ کی سوّیاں نکالیں پھر اس پیالے میں چھاچھ بھر دی۔ پیالہ صاحب داد کو دے کر کہنے لگی، "تیرا بابا اور چاچا کریمو رات کو کھیتوں میں پانی دیں گے۔ چاچا کریمو سے کہہ دینا اور اسے اپنے ساتھ کھیتوں پر لے جانا۔"

اب صاحب داد رغبت کے ساتھ سوّیاں کھا رہا تھا، اس لیے سر کے اشارے سے اس نے اقرار کیا اور جب پیالہ خالی ہو گیا تو اس نے ایک طرف رکھ دیا۔ صاحب داد کے پاس ابھی کچھ وقت تھا۔ وہ گھر سے نکلا اور چاچا کریمو کے پاس پہنچ گیا۔ ان سے بابا کا پیغام پہنچا کر صاحب داد کا کام تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ اب وہ اپنا شوق پورا کرنے کے لیے فارغ تھا۔ آج اسکول میں چھٹی تھی، اس لیے وہ آج سے ہی چاک پر کام شروع کرنے والا تھا۔

"آہا! یہ تو مٹی بھی تیار ہو گئی۔" چاک کے پاس آ کر صاحب داد بھائی بہنوں کو دیکھ کر بولا۔ اب وہ بیٹھ کر گیلی مٹی کو آٹے کی طرح گوندھ رہا تھا۔

"بھیّا، میرے لیے بلّی کا بچّہ بنا دو۔ بنا ؤ گے نا؟" منّی پاس آ کر بولی۔

"اچھا بابا، شور مت کر بنا دوں گا۔" وہ کام کرتے کرتے بولا۔

"اور میرے لیے اچھی سی گڑیا، مگر بڑی سی ہونی چاہیے۔" الماس نے بھی فرمائش کی۔

ایک ایک کر کے سب نے اپنی فرمائشیں بتا دیں اور صاحب داد نے سب سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کی پسند کے کھلونے بنائے گا۔

"اچھا تو اب میں بسم اللہ کرتا ہوں۔" کپڑے کی ایک گدّی بنا کر صاحب داد اس پر بیٹھ گیا جب اس نے چاک پر ہاتھ رکھا تو بچّے غور سے بھائی کو دیکھنے لگے۔ مٹّی کا گولا بنا کر اس نے چاک کے درمیان میں رکھ دیا۔ اب چاک بڑے زور سے گھوم رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں مٹی کا گولا

ایک شکل اختیار کرنے لگا۔ بچے دم سادھے اس طرف دیکھ رہے تھے۔ جب صاحب داد نے چاک روکا تو ایک کھلونا مکمل ہو چکا تھا۔ منّی بہت خوش ہو رہی تھی۔

کھلونے تیار ہو گئے تو صاحب داد نے انھیں لکڑی کے ایک تختے پر رکھ دیا۔ وہ تختے کو دھوپ میں رکھ آیا۔ بچے اب اُس طرف دیکھنے لگے جدھر کھلونے رکھے تھے۔ اب صاحب داد بڑے کھلونے بنانے لگا۔ "بھیّا، ان کا کیا کرو گے؟" الماسو نے پوچھا۔

"ان کو بازار میں لے جا کر بیچ دوں گا، پھر تیرے لیے مٹھائی لاؤں گا۔"

مٹھائی کا نام سُن کر الماسو کے منھ میں پانی آ گیا۔ پچھلی عید پر اس کا بابا مٹھائی کا ڈبا گھر لایا تھا اور اس نے سب سے پہلے الماسو کو اس کا حصّہ دیا تھا۔

"اری کیا سوچ رہی ہے۔ کیا مٹھائی کا مزہ آ رہا تھا؟" صاحب داد نے بہن کو چھیڑا۔

"بھیّا، سچ بتا، کیا واقعی تو کھلونے بیچا کرے گا؟" وہ پوچھنے لگی۔

"ہاں ہاں، سچ کہہ رہا ہوں۔ بہت فائدہ ہوتا ہے۔" وہ بتانے لگا۔

ذرا سی دیر میں مٹی کا گولا ایک شکل اختیار کرنے لگا۔

"پھر تو میں بھی تیرے ساتھ چلا کروں گی۔ میں تیرا ہاتھ بٹاؤں گی بھیّا۔"

صاحب داد اس کی بات سے بڑا متاثر ہوا۔ بہن کا سر اپنی چھاتی سے لگا کر بولا "پگلی، تیرا اتنا بڑا بھائی موجود ہے۔ تجھے ہاتھ بٹانے کی کیا ضرورت ہے؟"

الماسو خاموش رہ گئی۔ اپنے بھیّا سے وہ ڈرتی بھی تھی اور اسے چاہتی بھی تھی۔ ابھی کھلونے آدھے ہی سوکھے تھے کہ اندر سے ماما نے پکارا "صاحب داد، تیرے باپ کا کھانا تیار ہے۔"

"ماما، ابھی آیا۔ بس دو چار منٹ کی بات ہے۔" صاحب داد جلدی جلدی کھلونوں کو رُخ بدل کر درست کرنے لگا تاکہ وہ جلدی سوکھ جائیں۔

جب صاحب داد نے کھانا کھالیا اور ماما نے اللہ دینو کے لیے کھانا باندھ دیا تو احتیاطاً صاحب داد نے کھلونوں کو اونچی سی دیوار پر رکھ دیا۔ دیوار پر دھوپ موجود تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ دُھوپ میں کھلونے خشک ہو جائیں گے اور بچّوں کی پہنچ سے بھی دُور رہیں گے۔ اب صاحب داد نے کھانا اُٹھایا۔ روٹیاں اور سالن ایک ڈلیا میں رکھا ہوا تھا۔ پانی کا برتن الماسو نے اُٹھالیا۔ یہ ایک کچّی بڑی سی ہانڈی تھی۔ اس میں پانی کافی ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

وہ لوگ ٹھیک وقت پر کھیت تک پہنچ گئے تھے۔ یہ زمیں دار کا بڑا سا چک تھا۔ فصل تیار ہو چکی تھی اس لیے کاشت کار فصل کی کٹائی کر رہے تھے۔ اللہ دینو بھی دوسرے کسانوں کے ساتھ مل کر درانتی سے کٹائی کر رہا تھا۔ اس کا سارا جسم سخت محنت کی وجہ سے پسینے پسینے ہو رہا تھا۔

کٹائی کا کام ایک ساتھ روکا گیا۔ سب کسان اب درختوں کی چھاؤں میں آکر بیٹھ گئے تھے۔ اللہ دینو اپنے بچّوں کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ الماسو نے کھانا اس کے سامنے رکھ دیا۔ اُسی وقت کریمو وہاں پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ زمیں دار کا ایک خاص آدمی بھی آیا تھا۔ دونوں اللہ دینو کے پاس آکر بیٹھ گئے۔

جب الماسو نے برتن سمیٹ کر ڈلیا میں رکھ لیے اور سر پر رکھ لی تو صاحب داد بھی جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ پانی کی مشکی بھی الماسو نے اُٹھالی تھی۔ دونوں چل دیے اور کچھ دُور نکل گئے تو اللہ دینو نے اپنے زمیں دار کریمو کی طرف رُخ کیا "میرا خیال ہے تم نے زریاب سے بات کر لی ہو گی؟" ساتھ آنے والے کا نام زریاب تھا اور وہ زمین دار کی طرف سے کسانوں کو قرضے تقسیم کیا کرتا تھا۔ زمیں دار عام کسانوں سے نہیں ملا کرتا تھا۔ عید بقرعید وہ عام لوگوں سے ملا کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے محل نما گھر میں بند ہو کر رہ جاتا تھا۔ اس گھر میں خدا جانے کتنے کمرے تھے اور اس کے دروازے بھی کئی تھے۔

زمیں دار اور اس کے بیٹے کاروں میں شہر آتے جاتے تھے۔ ان کے پاس دو جیپیں بھی تھیں۔ ان پر وہ شکار کھیلنے جاتے تھے۔ یہ بہت بڑا زمیں دار تھا۔ کئی گاؤں اس کے اپنے تھے۔ ہر گاؤں میں اس نے اپنے ملازم رکھ چھوڑے تھے۔ یہ کسانوں سے لگان اور اناج کا آدھا حصّہ وصول کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ قرضے بھی تقسیم کرتے تھے۔ قرض لینے والے کو فصل کے موقع پر رقم کے علاوہ کچھ اناج بھی دینا پڑتا تھا۔

"اب تم لوگ آمنے سامنے ہو۔ خود ہی بات کر لو۔" کریمو زمیں دار اور اللہ دینو سے مخاطب ہو کر بولا۔ اللہ دینو نے حقّہ بھر لیا تھا اور کش لگا رہا تھا۔ پھر اس نے حقّہ زمیں دار کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے بعد کریمو کا نمبر آ گیا۔ زمیں دار نے پوچھا کہ اللہ دینو کو کتنی رقم درکار ہے؟

"مجھے پانچ ہزار رُپے چاہییں۔" اللہ دینو دھیمی آواز میں کہنے لگا۔

"اتنی بڑی رقم؟ اتنی رقم کا تم کیا کرو گے؟" زمیں دار نے حیرت ظاہر کی۔

"ضرورت اس سے بھی زیادہ ہے بھیّا۔ میں نے تو کم بتائی ہے۔"

زمیں دار نے پوچھا کہ اللہ دینو کو کتنی رقم درکار ہے۔

"تمھیں کام کیا ہے؟ میرا مطلب ہے اس رقم سے کیا کرو گے؟" زریاب نے پوچھا۔

"بھیّا، یہ مت پوچھ۔ یہ کسی کی عزّت آبرو کا معاملہ ہے۔" اللہ دینو نے اس انداز میں کہا کہ زریاب اور کریمو دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ انھوں نے پھر کچھ نہیں کہا۔ پھر زریاب مطلب کی بات پر آگیا۔

"سنو اللہ دینو، پانچ ہزار کی رقم بہت بڑی رقم ہوتی ہے۔ تمھارے پاس بیس بیگھے زمین ہے۔ اگر بہت رعایت کی جائے تو یہ کم از کم دس سال کے لیے تمھیں زمیں دار سائیں کے پاس رہن رکھنی ہوگی۔"

"اس مدّت میں کوئی کمی نہیں ہوسکتی زریاب؟" اللہ دینو نے پوچھا۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ سب کچھ رعایت کے ساتھ بتا رہا ہوں۔"

زریاب کی بات پتّھر کی لکیر ہوا کرتی تھی۔ اللہ دینو کو ہر قیمت پر رقم درکار تھی۔ اس نے زریاب سے معاملہ طے کر لیا۔ اس فصل کے بعد سے وہ اپنے چاروں کھیت زمیں دار کے پاس گروی رکھنے کو تیار ہوگیا۔

"اچھا اللہ دینو، تم کریمو اور رحمت خان چاچا کو لے کر مغرب کے بعد سائیں جی کے ڈیرے پر آجانا۔ رقم تمھیں وہاں مل جائے گی۔ دو گواہوں کی ضرورت ہوگی۔ رحمت خان چاچا اور کریمو انگوٹھا لگا ہی دیں گے۔" اللہ دینو نے سر ہلا کر اقرار کیا۔ چلم کی تمباکو جواب دے گئی تھی۔ کسان اب پھر سے کام کی طرف جا رہے تھے۔ اللہ دینو بھی حقّہ ایک طرف رکھ کر اپنے کام سے لگ گیا۔ اب وہ کچھ مطمئن تھا، کیوں کہ زریاب نے رقم دلانے کا وعدہ کر لیا تھا۔

مغرب کی نماز ادا کر کے وہ تینوں زمیں دار کے ڈیرے پر پہنچ گئے۔ زمیں دار تو وہاں نہیں تھا، مگر اس کا خاص ملازم جسے پیر و صاحب کہا جاتا تھا موجود تھا۔ کاغذات کی تیاری پیر و صاحب ہی کیا کرتا تھا۔ جب کاغذات پر ان تینوں کے انگوٹھے لگ گئے تو پیر و نے رقم زریاب کے حوالے کی۔ اس نے رقم اللہ دینو کو گنوا دی۔ پھر یہ لوگ ان سے ہاتھ ملا کر اور سلام دعا کر کے چلے آئے۔ باہر آکر ان کے راستے الگ الگ ہو جاتے تھے۔

اب اللہ دینو اپنے مرحوم بھائی فرہاد علی کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ فرہاد علی کا کئی سال پہلے انتقال ہوگیا تھا۔ اس کے چار بچّے تھے۔ تین لڑکیاں تھیں۔ ایک لڑکا تھا۔ لڑکیاں اب جوان ہو

گئی تھیں اور لڑکا ابھی چھوٹا تھا۔ اللہ دینو کو ان بچیوں کی بڑی فکر تھی۔ بیوہ بھاوج نے کچھ عرصے پہلے اسے بتایا تھا کہ تینوں لڑکیوں کا رشتہ آیا ہے۔ تینوں کے لیے بر تیار تھے مگر ان کی شادی کے لیے کوئی انتظام نہیں تھا۔ جب سے فرہاد علی کی بیوہ نے اپنے دیور اللہ دینو کو پوری تفصیل سے آگاہ کیا تھا اُس دن سے اللہ دینو نے سوچ رکھا تھا کہ بھاوج کی مدد کرے گا۔

جب اللہ دینو بھائی کے گھر پہنچا تو سب لوگ خوش ہو گئے۔ بچے اپنے چاچا کے آگے پیچھے پھرنے لگے۔ چاچا اس دن بھی ان کے لیے مٹھائی لے کر گیا تھا۔

"بھابی، یہ کچھ رقم لایا ہوں۔ انھیں رکھ لو، بچیوں کی شادی پر کام آئیں گے۔" اللہ دینو نے سارے نوٹ مجھک کر بڑی بھاوج کے پیروں میں رکھ دیے۔

"ارے اتنی رقم!" بھاوج حیران رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ اللہ دینو زیادہ دیر وہاں نہیں رُکا۔ وہ بھاوج پر احسان جتانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے جو کچھ کیا تھا وہ اس کو اپنا فرض سمجھتا تھا۔

اللہ دینو کی بیوی نے کہا کہ یہ پیسے میرے بیٹے نے جمع کیے ہیں۔

کچھ دن بعد اللہ دینو کو معلوم ہو گیا کہ صاحب داد کھلونے بنانے لگا ہے اور ان کھلونوں سے وہ کمائی بھی کرنے لگا ہے۔ دھیرے دھیرے پورے دو سال گزر گئے۔ صاحب داد کو معلوم تھا کہ بابا نے زمین گروی رکھ کر کچھ رقم لی ہے۔ لڑکیوں کی شادی ہو گئی تھی۔ اب اللہ دینو بہت مطمئن تھا۔ ایک رات جب وہ عشاء کی نماز پڑھ کر واپس آیا تو صاحب داد اور اس کی ماں اللہ دینو کا انتظار کر رہے تھے۔

"یہ پیسے میرے بیٹے نے جمع کیے ہیں۔ چھ ہزار ہیں۔ دو سال کی کمائی ہے۔" رقم اللہ دینو کی طرف بڑھا کر اس کی بیوی کہنے لگی۔ صاحب داد بھی نگاہیں جھکائے پاس کھڑا تھا۔ اللہ دینو نے صاحب داد کو کھینچ کر اپنی چھاتی سے لگا لیا۔

a great name in
INSURANCE

PLATINUM
PROGRESS WITH SAFETY

Platinum
Insurance Co. Ltd.

4th & 5th FLOOR STATE LIFE BUILDING NO. 2, WALLACE ROAD KARACHI (PAKISTAN) Phones: 222862 - 222959

امن اور جنگ

قمر ہاشمی

امن شب و روزِ عید
شامِ تمنّا کی دید

جنگ لہو کا نشان
جنگ ہے چنگیز خان

جنگ ہلاکت کی رَد
امن چراغوں کی لَو

جنگ سے دنیا نڈھال
امن ہے پھولوں کی ڈال

موت کی سسکی ہے جنگ
امن ہے دِل کی اُمنگ

خاک اُڑاتی ہے جنگ
امن سے ہے راگ رنگ

جنگ تباہی کا نام
امن رہے شاد کام

جنگ سے نفرت کرو
امن کی خدمت کرو

بیٹے! بے چارے کو ایسی جگہ لے جایا جا رہا ہے جہاں نہ گاڑی ہوگی نہ کھیل کود کا سامان، نہ ریڈیو ہوگا نہ رنگین ٹی وی۔ اور نہ سوفے ہوں گے۔
ابو، میں سمجھ گیا اس کو ہمارے گھر لے جا رہے ہیں نا؟
جیل بس

بہن! منے سے میں تو بیزار ہوں، یوں کپڑے پہناؤں یوں میلے کر لیتا ہے۔ تمہارا منا کہاں اور کتنا بڑا ہے دن بھر میں پندرہ بیس جوڑے خراب کرتا ہے اور تم تبدیل کرتے ہوئے بیزار بھی نہیں ہوتیں۔
بہن، اس وقت جھولے میں لیٹا ہے اور ماشاء اللہ تین ماہ کا ہے۔

سوال و جواب

طب کی روشنی میں

حکیم محمد سعید

سر میں درد

س: عمر ۱۴ سال، میرے سر میں درد رہتا ہے۔ میری نظر کم زور نہیں ہے، لیکن میں موٹا ضرور ہوں، جب کبھی سر درد ہوتا ہے تو بہت شدید تکلیف ہوتی ہے۔ ازراہِ کرم کوئی علاج بتائیں تاکہ میں اس مصیبت سے نجات پاؤں۔ محمد مبشر، لاہور

ج: اگر پڑھنا لکھنا تمھارے لیے دردِ سر بنا ہے تو میں یہ تو مشورہ دینے سے رہا کہ چلو پڑھنا لکھنا بند کر دو۔ چھٹی ہوئی۔ اگر شوقِ تعلیم نہ ہو تو واقعی لکھنے پڑھنے سے دردِ سر ہو جاتا ہے۔ اور اگر شوقِ علم ہو تو ہر قسم کا دردِ سر رفع ہو جاتا ہے۔ اب غور کریں کہ معاملہ کیا ہے۔ اچھا ہاں، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ کی غذا ذرا غلط ہو، زیادہ کھانا اور کھا کر فوراً سو جانا بھی دردِ سر پیدا کر سکتا ہے۔ بھئی میاں مبشر! اب تم ورزش پر آجاؤ، صبح کوئی ایک میل تک بڑی تیز رفتار سے چلنا شروع کر دو، ایسے جیسے جوان فوجی مارچ کرتے ہیں۔

کم زور نظر

س: عمر ۱۶ سال۔ مجھے دُور کی چیزیں بہت کم دکھائی دیتی ہیں۔ میں جب اسکول میں بلیک بورڈ کی لکھائی کو دیکھتا ہوں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا الفاظ ہیں۔ از راہِ کرم اس کا کوئی علاج تجویز فرمائیے۔ نظام الدین بلوچ، کراچی

ج: پیارے بلوچ! آپ کو تو دُور کی چیز نہیں دکھائی دیتی۔ ہماری قوم کا حال تو اب یہ ہے کہ اسے اپنے پاس کی چیزیں بھی نظر نہیں آرہی ہیں۔ آپ سے تو میں یہ کہوں گا کہ پہلے فوراً

عینک لگالیں تاکہ جہاں تک نمبر چلا گیا ہے، اس سے آگے نہ بڑھے پھر آپ مغز بادام شیریں (۱۲ دانے) رات کو پانی میں بھگو دیں اور صبح ناشتے میں کھانا شروع کر دیجیے۔ اگر زیادہ فائدہ حاصل کرنا ہے تو ان باداموں کو خوب زیادہ پیسیے۔ جتنا باریک کریں گے "ایٹم" اتنا ہی ٹوٹے گا اور اثر بڑھے گا۔ قوم سے یہ کہتا ہوں کہ للہ اپنی آزادی کی قدر کرو! اگر یہ نعمت لُٹ گئی تو عالم اسلام کا یہ سب سے بڑا سانحہ ہوگا اور پوری ملّت رُسوا ہو جائے گی۔

مسوڑھوں میں درد

س: عمر ۱۳ سال، میرے مسوڑھوں میں درد ہے اور مسوڑھوں سے خون بھی آتا ہے۔ مجھے کوئی ایسی دوا بتائیے کہ جس سے میں اس تکلیف سے نجات حاصل کر سکوں؟

شبانہ حسین انصاری، خیرپور میرس

ج: شبانہ بیٹی! ضرور تمھاری غذا میں حیاتین ج (وٹامن سی) کی کمی ہے۔ اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔ پہلے تو غذا میں گوشت کم کر دیں۔ بس ہفتے میں دو بار اور موٹا گوشت (گائے کا) تو بالکل نہیں کھانا چاہیے۔ اس سے مسوڑھے ضرور خراب ہوتے ہیں۔ دانتوں کی صفائی کا خیال ضروری ہے۔ صبح اور رات سونے سے پہلے دانتوں کا مانجھنا ضروری ہے۔ شاید ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ زیادہ فائدہ مند ہوگا، کیوں کہ اس میں پیلو درخت کا خلاصہ شریک ہے۔ جس کے بارے میں سائنس کہتی ہے کہ مسوڑھوں کے لیے بے نظیر ہے۔ ہاں انگشتِ شہادت (کلمے کی انگلی) سے مسوڑھوں کی مالش کرنے سے فائدہ ہوتا ہے، اس لیے پیسٹ سے فارغ ہو کر چند منٹ مسوڑھوں کی مالش کریں۔

کم زور جسم

س: عمر ۱۷ سال۔ فرسٹ ایئر کا طالبِ علم ہوں۔ میرا جسم بہت کم زور ہے۔ جس کی وجہ سے میں پینٹ شرٹ نہیں پہنتا، کیوں کہ دوسرے ساتھی چھیڑتے ہیں کہ تمھارے تو کولھے ہی نہیں ہیں۔ براہِ مہربانی ایسی ورزش یا دوا بتائیے جس سے میرے کولھے بڑھ جائیں۔

کاشف احمد، کراچی

ج: پینٹ اور شرٹ کو میں بُرا تو نہیں کہتا، مگر یہ لباس ہماری پہچان نہیں ہے۔ آپ کو اپنی عام صحت کی خرابی کو دُور کرنے کا سامان کرنا چاہیے۔ بادام ۱۲-۱۵ دانے، کشمش کوئی دو

تولے، رات کو بھگو دیں، صبح کھالیں۔ اس سے وزن بڑھ جاتا ہے۔ ہاں، خشک خوبانیاں بھی وزن بڑھاتی ہیں۔ ذرا ورزش کی طرف بھی توجہ کیجیے، چلیے فٹ بال کھیلنا شروع کر دیجیے۔ اس سے کولھوں کی ورزش ہو کر ان میں بڑھوتری آجائے گی۔

مٹاپا

س: امی کی عمر ۴۴ سال ہے مگر وہ مٹاپے کا شکار ہیں، ورزش بھی کرتی ہیں اور گھر کا سارا کام خود کرتی ہیں، لیکن مٹاپا ختم نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں جب بھی وہ سیڑھیوں پر چڑھتی ہیں تو سانس پھولنے لگتا ہے۔ ازراہِ کرم کوئی علاج بتائیں۔ مرزا محمد سجاد بیگ، راول پنڈی

ج: مرزا صاحب، محترمہ امی سے ادب و احترام کے ساتھ کہہ دیں کہ وہ اپنی غذا میں شکر اور چربی کم کر دیں۔ ان دونوں سے مٹاپا بڑھتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ خوش مزاج لوگ فربہ ہو سکتے ہیں، مگر یہ کم دل چسپ بات نہیں ہے کہ غم کی کثرت بھی انسان کو موٹا کر دیتی ہے۔ دوا کے طور پر جوارش کمونی ۶۔۶ گرام کھانے کے بعد کھالیا کریں اور اس سے آسان یہ ہے کہ زیرہ سفید ۳ گرام پانی میں جوش دے کر چھان کر چائے کی طرح پی لیا کریں۔

گردن میں درد

س: عمر ۱۴ سال۔ ران اور گردن میں سخت درد ہوتا ہے اور رات کو سوتے ہوئے یہ درد شدّت اختیار کر لیتا ہے۔ عارف حسین، کراچی

ج: اس مختصر حال سے آپ کی یہ تکلیف میری سمجھ میں نہیں آئی۔ آپ کو کسی اچھے معالج سے مل کر مشورہ کرنا چاہیے۔ کیا آپ فُٹ بال کھیلتے ہیں؟ اگر ہاں تو اس سے رانوں میں درد ہو سکتا ہے۔ گردن کا درد ممکن ہے کہ ہیڈ مارنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

جسم کا سُن ہو جانا

س: بعض اوقات اگر جسم کے کسی حصّے کو کافی دیر تک ایک ہی انداز میں رہنے دیا جائے تو وہ حصّہ سُن (بے جان سا) ہو جاتا ہے۔ ازراہِ کرم اس کی وجہ بتائیے۔ شازیہ خلیق، کراچی

ج: جسم میں وٹامن بی جب کم ہو جاتا ہے تو ایسا ہوتا ہے۔ ہمارا جگر قدرتی طور پر وٹامن بی تیار کرتا رہتا ہے۔ اگر جگر کسی وجہ سے کم زور ہے تو پھر وٹامن بی کی ٹکیاں کھا کر اس کمی کو پورا کر لینا چاہیے۔

آج کا نونہال - کل کا کامیاب معالج

اسے سرفرازئ پاکستان کے لیے تیار کیجیے

انسان جتنا صحت مند ہوگا اس کا مستقبل بھی اتنا ہی تابناک ہوگا۔ آپ کا یہ ننھا منّا بچہ کل کے مضبوط، مستحکم اور صحت مند پاکستان کی امانت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اس میں ایک بڑی شخصیت پوشیدہ ہے... ہو سکتا ہے یہ ایک نامور معالج بن کر اپنے وطنِ عزیز کی تعمیر و ترقی میں حصہ لے۔

اس کی صلاحیتوں کو ابھارنے اور شخصیت کو نکھارنے کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ اس ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے نبھائیے۔ اپنے بچے کی پرورش نہایت محنت، محبت اور توجہ سے کیجیے تاکہ کل یہ ایک مضبوط اور توانا جسم، بہتر تعلیم اور صحت مند ذہن کے ساتھ ملک و ملت کی خدمت کر سکے۔

نونہال ہربل گرائپ واٹر بچوں کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، اسہال، قے، بے خوابی پیاس کی شدت وغیرہ کے لیے مفید و مؤثر دوا ہے۔ دانت آنے کے زمانے میں اس کا استعمال ضروری ہے۔

نونہال ہربل گرائپ واٹر

بچوں کو مطمئن، مسرور اور صحت مند رکھتا ہے۔

همدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

ادب اخلاق

لوگوں سے مُنہ پھیر کر بات نہ کر اور زمین پر اکڑ کر نہ چل۔

Adarts 4/84

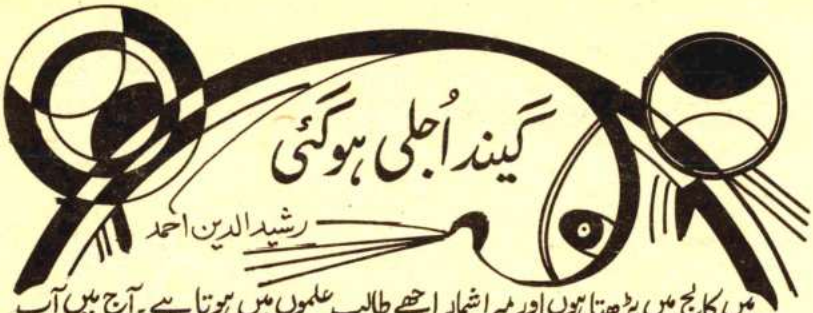

گیند اُجلی ہوگئی

رشید الدین احمد

میں کالج میں پڑھتا ہوں اور میرا شمار اچھے طالب علموں میں ہوتا ہے۔ آج میں آپ کو ایک کہانی سُنانا چاہتا ہوں۔ کسی راجا، کسی سورما کی نہیں بلکہ اپنی کہانی ۔ بس یہی کہ میں کیا تھا، پھر کیا ہو گیا اور اب میں کیا ہوں! ہاں آپ اسے آپ بیتی کہہ سکتے ہیں، لیکن ابھی عمر بیتی ہی کتنی ہے؟ آپ بیتی تو طویل زندگی کے بعد سُنائی یا لکھی جاتی ہے۔ میری نظر میں میری آپ بیتی وقت کے لحاظ سے چھوٹی اور کم عمر سہی، لیکن ہے بہت اہم۔ میرے لیے بھی اور شاید آپ کے لیے بھی۔

ہوا یہ کہ ایک شام کالج سے لوٹتے وقت میں نے اپنے محلّے کے بچّوں کو کرکٹ کھیلتے ہوئے دیکھا۔ وہ سڑک کے کنارے کھیل رہے تھے۔ اتنے میں ایک لڑکے نے زور دار ہٹ لگائی تو گیند سڑک پر سے گزرتی ہوئی گندے پانی میں سے ہوتی ہوئی میدان میں خاصی دُور جا کر رُک گئی۔ اس صاف ستھری سفید گیند کی رنگت بدل گئی تھی۔ حلیہ بگڑ گیا تھا۔ اس پر مٹّی اور گھاس پھُوس کی ایک موٹی تہ جم گئی تھی اور اب کوئی اسے ہاتھ لگانے کو تیار نہیں تھا۔ سب ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ وہ گیند اُٹھا کر صاف کر دے۔ یہ دیکھ کر میں نے ہمّت کی اور گیند اُٹھالی اور اسے سڑک پر پٹخ پٹخ کر دھول مٹی، کوڑے کچرے اور گندگی سے آزاد کر دیا۔ قریب کے نل سے اسے رگڑ کر دھویا تو وہ پھر سے اُجلی ہو گئی۔ اب ہر کوئی اُسے لینے کے لیے آگے بڑھ رہا تھا۔ بچّوں نے میرا شکریہ ادا کیا اور کھیل میں لگ گئے۔

گھر پہنچتے پہنچتے میرے ذہن میں خیالات کا تانتا بندھ گیا۔ اس صاف اور پھر گندی ہو کر دوبارہ اُجلی ہونے والی گیند نے میری زندگی کے گزرے حالات اور واقعات کی یاد تازہ کر دی۔ میں بھی تو پہلے اسی کی طرح صاف ستھرا تھا! پھر خراب صحبت نے خراب

عادات کے کیچڑ اور غلاظت نے اپنی لپیٹ میں لے کر مجھے دو کوڑی کا کر دیا تھا۔ اب میں دوبارہ صاف ستھرا ہوں۔ جھاڑی پونچھی اور دھلی گیند کی طرح۔ ہلکا پھلکا، اُجلا اور روشن۔

میں ایک اسکول میں پڑھتا تھا۔ مجھے ماں باپ کا پیار گھر میں میسّر تھا تو اسکول میں استادوں کی شفقت اور مہربانیاں حاصل تھیں۔ ہم جماعتوں میں عزّت تھی۔ اچھا کھاتا تھا۔ اچھی کتابیں پڑھتا تھا۔ اچھی باتیں سنتا تھا۔ محلّے میں عزّت تھی۔ لوگ پیار و محبّت سے پیش آتے تھے۔ اعتبار کرتے تھے۔ بزرگ دعائیں دیتے تھے۔ والدین نماز روزے کے پابند تھے۔ نیکی کی راہ چلنے والے، بُرائی سے دامن بچانے والے، اللہ کو حاضر و ناظر جاننے والے۔ میری اور دوسرے بھائی بہنوں کی تربیت انھوں نے بڑی محبّت اور توجہ سے کی تھی۔

میں نے سالانہ امتحان میں امتیازی کامیابی حاصل کی۔ ماں باپ خوش ہوئے۔ سب نے دعائیں دیں۔ انعامات، تحفے اور مبارک بادیاں ملیں۔ گھر والوں کے ساتھ سیر سپاٹے کیے اور نئی کتابیں خریدیں۔ میرا ایک ہم جماعت حیدر آباد میں رہتا تھا۔ وہ مجھے چھٹیوں میں اپنے گھر آنے کی دعوت دے گیا تھا۔ وہ اگرچہ تعلیمی میدان میں مجھ سے پیچھے تھا، لیکن مجھ سے بڑی محبّت سے پیش آتا تھا۔ میں اس کی دعوت پر حیدر آباد پہنچ گیا۔ اس کے والدین اور بھائی بہن محبّت سے پیش آئے۔ اس گھر میں یوں تو سب کچھ تھا، لیکن میں نے بہت جلد محسوس کیا کہ ان لوگوں کے انداز ہمارے گھر سے بالکل جُدا ہیں، نہ وہاں پابندی اور توجہ سے نماز پڑھی جاتی ہے اور نہ گھر کے افراد کسی نظم اور طریقے کے پابند تھے۔ سب اپنی اپنی جگہ مست اور مگن۔ نوکروں کا راج تھا۔ سب اپنی اپنی چلاتے تھے۔

ایک دن میرے دوست نے سائکلوں پر شہر اور اس کے نواحی علاقوں کی سیر کا پروگرام بنایا۔ ہم گھنٹوں سڑکوں اور پگڈنڈیوں پر گھومتے رہے۔ دوپہر ہو گئی تو بھوک ستانے لگی۔ میں مہمان تھا اس لیے کچھ دیر خاموش رہا۔ آخر جب مارے بھوک کے سائکل چلانا دوبھر ہو گیا تو اپنے دوست سے بھوک کی شکایت کی۔ اس نے بتایا کہ بھوک

اُسے بھی ستا رہی ہے۔ اب ہم شہر میں داخل ہو چکے تھے، لیکن گھر پھر بھی وہاں سے بہت دُور تھا۔ گھر سے نکلتے وقت میں نے پیسے بھی ساتھ نہیں لیے تھے۔ اتنے میں میرے دوست نے کچھ سوچ کر کہا، "کوئی بات نہیں، میرے پاس پیسے ہیں چلو کسی دُکان سے ٹافیاں لیتے ہیں۔"

ہم نے ایک بڑی سی دُکان کے سامنے سائکلیں کھڑی کیں اور دُکان میں داخل ہو گئے۔ دُکان میں خاصی بھیڑ تھی۔ ایک طرف اسٹینڈ پر ٹافیوں اور مٹھائیوں کے بڑے بڑے مرتبان رکھے تھے۔ وہاں پہنچ کر میرے دوست نے مجھ سے کہا، "جیب میں ٹافیاں رکھ لو۔" اس نے خود بھی چند ٹافیاں لیں اور مجھ سے باہر چلنے کو کہا اور کاؤنٹر پر صرف آٹھ ٹافیاں دیکھا کر دو رُپے دُکان دار کے حوالے کر کے باہر نکل آیا۔ اس کی یہ حرکت دیکھ کر میں سناٹے میں آ گیا۔ مجھے پریشان دیکھ کر وہ بولا، "ارے کیا سوچ رہے ہو یہاں سے جلدی سے نکل چلو۔" میں نے سائکل پر بیٹھتے ہوئے کہا، "تم نے یہ کیا

حرکت کی۔ اتنی بہت سی ٹافیوں کے صرف دو رُپے دیے دُکان دار کو؟" اس پر وہ ہنسا اور بولا، "ارے میرے بھولے دوست! میرے پاس تو اتنے ہی پیسے تھے اور پیسے کہاں سے لاؤں۔ چلو کھاؤ ٹافیاں، بھوک لگ رہی ہے۔ ایسی شرارتیں تو ہم کرتے ہی رہتے ہیں۔" میں نے اس سے کہا کہ میں نے یہ حرکت کبھی نہیں کی، کیوں کہ میرے گھر والے اسے بُرا سمجھتے ہیں۔ اس پر وہ خوب ہنسا اور بولا، "کمال ہے! میں تو تمھیں بہت بہادر سمجھتا تھا۔ اب میں سب کو بتاؤں گا کہ تم تو بڑے بزدل ہو۔ دو چار رُپے کی ٹافیاں تم صاف نہیں کر سکے۔" اس کی یہ بات سُن کر میں کچھ نرم پڑ گیا اور پھر ہم دونوں نے وہ ٹافیاں کھالیں۔ میں اس سے محض اس لیے ڈر گیا کہ وہ اسکول میں مجھے بزدل مشہور کرے گا۔ سچ پوچھیے تو اصل میں میری بزدلی یہی تھی۔ مجھے وہ ٹافیاں نہیں کھانی چاہیے تھیں، لیکن بھوک، تھکن اور خوف نے مجھے مجبور کر دیا۔

یہیں سے میری حالت گلی میں کرکٹ کھیلتے بچّوں کی گیند جیسی ہو گئی۔ اب میں بھی چوری کے کیچڑ میں ڈوب چکا تھا۔ یہیں رُک کر خود کو صاف کر لیتا تو اچھا تھا، لیکن میں تو گیند کی طرح آگے لڑھکتا چلا گیا اور مجھ پر جھوٹ اور چوریوں کی دھول، مٹّی اور کوڑا کرکٹ جمتا چلا گیا۔ برائیاں بڑھتی اور خراب عادتیں جڑ پکڑتی گئیں۔ میں اپنے اس دوست کے ساتھ اسکول کے ساتھیوں کی چیزیں چُرانے لگا۔ ہم روز ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگے۔ جو زیادہ چُراتا وہ اتنا ہی اِترا تا۔

میں تیزی سے چوری کے فن میں طاق ہوتا جا رہا تھا۔ طالب علموں کے بعد استادوں کی باری آئی اور میں ان کی قیمتی چیزیں اُڑانے لگا۔ بڑھتے بڑھتے میں نے محلّے کے گھروں کی صفائی شروع کر دی، لیکن آخر کب تک؟ ایک دن ایک گھر کا تالا اُلٹتے پلٹتے دیکھ کر گشت کے سپاہی نے مجھے پکڑ لیا۔ میرے والدین کو تھانے بُلایا گیا، چوں کہ محلے میں ابھی میری ساکھ تھی اس لیے میرے آنسوؤں اور والد کی حالت دیکھ کر مجھے چھوڑ دیا گیا۔ تھانے میں والد کی آمد سے پہلے حوالات کے کونے میں بیٹھ کر جب میں نے اپنی حالت پر غور کیا تو بڑا دکھ ہوا۔ میں کیا تھا اور اب کیا ہو گیا تھا۔ خراب عادتوں نے مجھے جکڑ لیا تھا، مجھے بوجھل کر دیا تھا۔ بے غیرتی کے گھپ اندھیرے نے مجھے گھیر

لیا تھا۔ کہاں میرے ماں باپ اور کہاں میں! ان کی صاف ستھری زندگی سے اپنی زندگی کا مقابلہ کیا تو جی تھرّا اٹھا اور سخت ندامت ہوئی۔ میرے اندر ایک عجیب اُتھل پُتھل ہو رہی تھی۔ دو تین سال کے بعد آج پہلی مرتبہ اندازہ ہوا کہ مجھے تو اندھیروں نے ڈس لیا ہے۔ اس اندھیرے میں بہت دُور ہلکی سی روشنی دکھائی دی۔ جی چاہا کہ یہ روشنی ایک دَم بڑھ جائے تاکہ میری یہ گھبراہٹ دُور ہو جائے۔ میں خوب رویا اور تڑپا کہ کسی طرح مدھم چراغ کی لَو تیز ہو جائے اور میں ایک بار پھر روشن اور اُجلا ہو جاؤں۔ میں نے دل کی گہرائی سے اس وقت اللہ کو پکارا۔ اسلامیات کے مولوی صاحب یاد آئے۔ ان کی بتائی ہوئی باتیں یاد آئیں۔ قرآن کے احکام اور حدیثیں یاد آئیں اور میں نے گڑگڑا کر دعا کی کہ اے میرے رب، میں بھٹک گیا ہوں، تُو مجھے معاف کر کے سیدھی راہ پر ڈال دے۔ میرے آنسو تھم گئے اور میں خود کو کچھ ہلکا محسوس کرنے لگا۔ گھر پہنچا تو امّی کو بے تحاشا روتے دیکھا۔ میں بھی ان سے لپٹ کر خوب رویا اور میں نے وعدہ کیا کہ اب میں پھر سے اچھا لڑکا بن جاؤں گا۔ میں نے غسل کیا، کپڑے بدلے اور مسجد چلا گیا۔ عشا کی نماز پڑھی اور ایک بار پھر سچّے دل سے توبہ کی۔ نماز کے بعد مولوی صاحب کے درسِ قرآن میں بیٹھا اور جی لگا کر ان کی باتیں سنیں۔ اس وقت بھی میرا دل سخت مَلامَت کر رہا تھا۔ ان کا ایک ایک لفظ ہتھوڑے کی طرح میرے ذہن پر برس رہا تھا۔ مجھے آج احساس ہو رہا تھا کہ بھلائی برائی کے مقابلے میں کتنی قیمتی اور قابلِ قدر ہوتی ہے۔ بُرائی انسان کے جسم کو پالتی تو ہے، لیکن اندر کا انسان اس سے مَر جاتا ہے۔

دوستو! اگلی صبح سے میں ایک بالکل نیا لڑکا تھا۔ دل ہر وقت روتا رہتا تھا اور میں قدم قدم پر اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ کہیں مجھ سے پھر کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ اب آہستہ آہستہ میرا بوجھ ہلکا ہونے لگا۔ میری تعلیمی حالت درست ہوتی چلی گئی۔ میں پابندی سے قرآن پڑھتا اور سیرتِ رسولؐ کے علاوہ نیک اور عظیم انسانوں کی سیرت اور حالات پڑھتا۔ ماہانہ ٹیسٹ میں میں نے سب سے زیادہ نمبر لے کر سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ استادوں نے مبارک باد دی، لیکن میرے دوستوں نے نفرت سے دیکھا اور مذاق

اُڑانے کی کوشش کی۔

اسی طرح میں نے اعلا نمبروں سے میٹرک کر لیا۔ میرے والد نے اس خوشی میں ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ عزیزوں، دوستوں نے پھول پہنائے، تحفے دیے، دعائیں دیں۔ میں اب اپنے آپ کو بالکل ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ اب میری نظروں میں میری عزت بحال ہو گئی تھی۔ اس دعوت میں میں نے اپنے اس دوست کو بھی بُلایا تھا جس نے مجھے چوری کی عادت ڈالی تھی اور آخر اسکول سے نکالا گیا تھا۔ میں نے یہ دعوت اسے ستانے کے لیے نہیں دی تھی۔ میں نے اس کے لیے دل سے دُعا کی تھی کہ وہ بھی سیدھی راہ پر آجائے۔ میں صرف یہ چاہتا تھا کہ پرانے دوستوں اور استادوں میں آکر اس کو بھلائی کی ترغیب ہو۔ وہ چند روز پہلے جیل سے رِہا ہو کر آیا تھا۔ اس نے میری دعوت ٹھکرا دی۔ میں خاموش گھر چلا آیا۔ لیکن دعوت میں میں نے دیکھا کہ وہ بھی چپکے سے آکر مہمانوں میں بیٹھ گیا۔ میں اس کے پاس گیا تو اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ وہ کسی سے نظریں ملانے کے قابل نہیں تھا۔ دوست احباب بھی اس سے کترا رہے تھے۔ کھانے کے بعد اس نے میرے ہاتھ میں ایک پیکٹ تھماتے ہوئے کہا، "یہ میری طرف سے قبول کر لو۔ یہ محض ایک پنسل ہے، یقین کرو یہ چوری کی نہیں۔ میں نے آج دن بھر مزدوری کر کے تمھارے لیے خریدی ہے۔ دعا کرو کہ جس دَل دَل سے تم نکل آئے ہو میں بھی نکل آؤں۔ میں نے سچّے دل سے توبہ کر لی ہے۔ میں بھی اب تمھاری طرح اچھا لڑکا بننا چاہتا ہوں۔"

میں اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا اور اسے گلے لگا کر بولا، "دوست، روشنی کی طرف آنے کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو یقین کر لو کہ اللہ ضرور تمھاری مدد کرے گا۔"

میرے یہ کہنے سے اس کے چہرے پر رونق آگئی اور وہ مسکراتا ہوا چلا گیا۔ میں نے اس کی دی ہوئی پنسل کو چوم لیا۔ اس سے عجیب روشنی اور خوش بُو پھوٹ رہی تھی۔ یہ سب سے قیمتی تحفہ تھا، گیند اُجلی ہو گئی تھی!

مُسکراتے رہو

ایک یورپی سیاح اپنے دوستوں کو اپنے سفر کے واقعات سناتے ہوئے بولا، "وہ بڑا نازک لمحہ تھا جب آدم خور قبائلیوں نے مجھے اور میری بیوی کو ستونوں سے باندھ کر ہمارے اِرد گرد گھیرا ڈال دیا تھا۔ قبائلیوں کے سردار نے مجھے دیکھ کر کہا کہ میں چالیس سال سے زائد عمر کے لوگوں کو نہیں کھاتا۔

یہ سُنتے ہی میری بیوی نے زندگی میں پہلی بار اپنی صحیح عمر بتادی۔"

مرسلہ: عذرا عنبرین، کراچی

چار گنجے بن بلائے مہمان بن کر ایک دعوت میں پہنچ گئے اور میزبان سے کہنے لگے، "واہ کیا شان دار محفل ہے۔"

میزبان نے ان کے گنجے سروں کو دیکھتے ہوئے کہا، "جی ہاں، اور آپ نے تو آکر محفل کو چار چاند لگادیے ہیں۔"

مرسلہ: ممتاز احمد ناز، کھلابٹ ٹاؤن

اخباری رپورٹر: کیا آپ اس حادثے پر روشنی ڈالیں گے؟

آدمی: تم لوگ سمجھتے کیوں نہیں۔ روشنی کے لیے اگر میرے پاس ٹارچ ہوتی تو میں اس مین ہول میں کیوں گرتا۔

مرسلہ: محمد ندیم خانزادہ، ٹنڈو جام

اسلم اور انور سمندر کے کنارے ٹہل رہے تھے کہ ایک شخص جو پانی میں ڈوب رہا تھا، چیخا "بچاؤ بچاؤ، مجھے تیرنا نہیں آتا۔" اسلم نے ہنستے ہوئے کہا، "مجھے والی بال کھیلنا نہیں آتا، لیکن میں نے کبھی یوں چیخ چیخ کر اعلان نہیں کیا۔"

مرسلہ: ارم انور، بشریٰ انور، کراچی

گاہک: جب میں نے موٹر سائکل خریدی تھی تو آپ نے وعدہ کیا تھا کہ موٹر سائکل چلاتے ہوئے جو کچھ ٹوٹے گا اس کی جگہ دوسری چیز لگادیں گے۔

دُکان دار: جی فرمایئے کیا ٹوٹ گیا؟

گاہک: سامنے والے چار دانت ٹوٹ گئے ہیں۔

مرسلہ: عابد جمیل عالی، کمالیہ

حادثے میں زخمی ہونے والے ایک تاجر کو نیم بے ہوشی کے عالم میں ہسپتال پہنچایا گیا۔ نرس وقفے وقفے سے

اس کا نمبر بچپرے کر ڈاکٹر کو بتاتی جا رہی تھی۔

پہلی بار اس نے بتایا، "ایک سو ایک۔"

دوسری بار بولی، "ایک سو دو۔"

پھر کہا، "سر! اس وقت ایک سو تین۔"

تو نیم بے ہوش تاجر نے بڑی مشکل سے منھ کھولتے ہوئے کہا، "ایک سو پندرہ پر تمام اسٹاک فروخت کر دینا۔"

مرسلہ: پُرنم جان، کراچی

✿ گاہک ویٹر سے: اس سالن میں ایک مُردہ لال بیگ پڑا ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں؟

ویٹر: جناب، بات دراصل یہ ہے کہ جب بگھار دیا جاتا ہے تو یہ مَر جاتے ہیں۔

مرسلہ، محمد عمران صدیقی، اسلام آباد

✿ ایک دفعہ جوتوں کی دُکان کے پوسٹر کے اوپر کسی نے ہسپتال کا پوسٹر لگا دیا۔ کچھ دنوں بعد اوپر والا پوسٹر جگہ جگہ سے پھٹ گیا تو اسے کچھ یوں پڑھا جانے لگا:

"ہمارے ہاں مریضوں کی خاص مرمّت کی جاتی ہے۔ جوتوں کو چیچک کے ٹیکے لگانے کا خاص انتظام ہے۔ مریضوں کو بیس سال کی گارنٹی دی جاتی ہے۔"

مرسلہ: محمد ندیم شیخ، ٹنڈو آدم

✿ جنگ کے دوران جرمنی کے جہاز بمباری کے لیے لندن پر پرواز کرنے لگے تو ایک میاں بیوی کمرے سے پناہ گاہ کی طرف بھاگے، تھوڑی دیر کے بعد بیوی راستے ہی سے واپس مڑی اور کہنے لگی، "میں اپنے دانت تو اندر ہی بھول آئی ہوں۔"

میاں نے غصّے میں جواب دیا، "ہاں ہاں، جلدی سے اُٹھا لاؤ۔ جرمن جہاز ابھی ڈبل روٹیاں پھینکیں گے۔"

✿ ایک خاتون نے اپنی سہیلی سے کہا، "میرے شوہر تین ماہ کے لیے باہر گئے تھے۔ اس عرصے میں، میں نے نئے نئے کھانے پکانے سیکھ لیے۔"

سہیلی نے پوچھا، "تو پھر تمھارے شوہر پر اس کا کیا اثر ہوا؟"

"اب وہ تین سال کے لیے باہر چلے گئے ہیں۔" جواب ملا۔

مرسلہ: سید شہزاد حسین، کراچی

✿ ایک دیہاتی چڑیا گھر میں ایک توتے کے پنجرے کے پاس کھڑا چھڑی سے اسے چھیڑ رہا تھا۔ توتا باتیں کرنا جانتا تھا۔ اُس نے چلّا کر کہا، "ابے کیا کرتا ہے نالائق!"

دیہاتی گھبرا کر بولا، "معاف کرنا حضور! میں سمجھا تھا آپ جانور ہیں۔"

مرسلہ: ادم پرکاش، بیلہ سبیلہ

✿ ایک چور کو رہائی ملنے والی تھی اور اگلے روز وہ رہا ہونے والا تھا۔ اس کے ایک ساتھی نے اس سے پوچھا:

"یار، تم جیل سے نکلنے کے بعد پہلا کام کیا کرو گے؟"

چور نے جواب دیا، "میں ایک ٹارچ خریدوں گا، کیوں کہ پچھلی مرتبہ میں نے اندھیرے میں بجلی کے بجائے ریڈیو کے سوئچ کو آن کر دیا تھا۔"

مرسلہ: محمد انیس تاجاتی، کراچی

✿ ایک عورت گوشت خریدنے گئی اور قسائی سے

بولی، " ایسا عمدہ گوشت دو جس میں چربی، ہڈی اور چھیچھڑے بالکل نہ ہوں۔ قصاب نے کہا، " آپ ایسا کریں کہ پولٹری فارم سے انڈے خرید لیں۔"

مرسلہ: غلام مصطفےٰ ملک، بدین

ایک بخیل شخص کا ذہین لڑکا کھیل کود میں مصروف تھا کہ پڑوس سے کیک موصول ہوا۔ بخیل شخص کسی کام سے باہر جا رہا تھا۔ اس نے کیک کو الماری میں رکھ دیا اور جاتے ہوئے لڑکے سے کہا، " بیٹا، یہ پڑوسی ہمارا دشمن ہے۔ اس نے یقیناً کیک میں زہر ملا دیا ہوگا۔ ہماری بہتری اسی میں ہے کہ اس سے دُور رہیں۔ بیٹے نے باپ کی بات غور سے سنی اور کھیل میں معروف ہو گیا۔ باپ جب واپس آیا تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ الماری سے کیک غائب ہے، گلاس ٹوٹا پڑا ہے اور بیٹا اداس ہے۔ کنجوس باپ نے بیٹے کو ڈانٹا اور دریافت کیا، " وہ کیک کیا ہوا اور یہ گلاس کس نے توڑا؟" بیٹے نے روتے ہوئے جواب دیا، " میں پانی پینے کے لیے گلاس اُٹھا رہا تھا کہ ہاتھ سے گر گیا اور ٹوٹ گیا۔ میں ڈرا کہ آپ مجھے ضرور ڈانٹیں گے۔ میں نے کیک کھا کر جان دینا چاہی، لیکن کیک کھائے کئی گھنٹے گزر چکے ہیں اور اس کا زہر اثر نہیں کر رہا ہے۔"

طالب علم کئی دن اسکول سے غیر حاضر رہا۔ کافی دن بعد جب وہ اسکول آیا تو استاد نے اس سے سوال کیا، " آخر تم غائب کہاں تھے؟" طالب علم نے جواب دیا، " جناب! میں اپنے بھائی کی شادی میں شرکت کرنے حیدر آباد چلا گیا تھا۔ ماسٹر صاحب نے پوچھا، " خوب، تمھارے بھائی کی شادی کس سے ہوئی؟" طالب علم نے جواب دیا، " ایک لڑکی سے۔"

ماسٹر صاحب کو ہنسی آگئی، بولے، " تو کیا کسی مرد سے بھی شادی ہوا کرتی ہے؟"

طالب علم نے معصومیت سے جواب دیا، " جی ہاں، میری باجی کی شادی ایک مرد سے ہو چکی ہے۔"

مرسلہ: محمد قیصر فہیم، خان پور

ایک بہت مشہور سماجی کارکن کے بارے میں غلطی سے یہ خبر شائع ہو گئی کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد ایک دوست کی ان سے قبرستان کے قریب ہی ملاقات ہو گئی، وہ خوف سے کپکپاتے ہوئے بولا:

" معاف کرنا مولانا، میں آپ کے جنازے میں شامل نہ ہو سکا، لیکن قبر پر پھول چڑھا دیے تھے۔

مرسلہ: گووند رام ہمراہی، عمر کوٹ

ایک کنجوس نے اپنے بچوں سے کہا، تم میں سے جو رات کا کھانا نہیں کھائے گا اسے ایک رُپیہ ملے گا۔ سب بچوں نے ایک ایک رُپیہ لیا اور بھوکے سو گئے۔ صبح جب جاگے تو سب کی آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ سب نے باپ سے ناشتے کا مطالبہ کیا۔ کنجوس باپ نے کہا جو ایک رُپیہ ادا کرے گا ناشتا صرف اسی کو ملے گا۔

مرسلہ: شیخ جاوید احمد نیازی، عیسیٰ خیل

مگر فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے

خون میں سرایت کئے ہوئے فاسد مادے پھوڑے پھنسیوں اور کئی دوسری جلدی بیماریوں کو جنم دیتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی کے ساتھ استعمال کیجئے۔ خون کی صفائی اور جلدی بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔

جڑی بوٹیوں
سے تیار شدہ

صافی

ہمدرد

سے خون بھی صاف، جلد بھی صاف

ایکس ریز کا کمال

علی ناصر زیدی

سائنس نے جہاں بے شمار میدانوں میں انسان کی خدمت کی ہے وہاں طب اور جراحی (سرجری) میں بھی اس سے بہت فائدہ پہنچا ہے۔ لاکھوں کروڑوں مریضوں کی جانیں جدید سائنسی آلات کے ذریعہ سے بچائی گئی ہیں۔ سائنس کی ان طبّی خدمات میں ایکس رے کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ ان سے تکالیف کی تشخیص میں بڑی مدد ملی ہے۔ اندرونی زخم، ہڈیوں کی ٹوٹ پھوٹ، پھیپھڑوں اور معدے کی خرابیاں اور سینے کے دوسرے امراض پہچاننے میں ایکس رے بڑے کام کی چیز ہے۔

ایکس ریز کا استعمال

یہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ دنیا میں بہت سی مفید چیزیں محض اتفاقیہ طور پر دریافت ہوئیں۔ ایکس ریز ان میں سے ایک ہے یہ ۱۸۹۶ء کی بات ہے کہ ایک سائنس داں پروفیسر رونت گن صاحب نے اپنے تجربات کے دوران میں یہ مشاہدہ کیا کہ تصویریں لینے کی چند پلیٹیں جو انھوں نے ایک میز کی دراز میں رکھ دی تھیں، خود بہ خود دُھندلی پڑ گئی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ فوٹو گرافی کی فلم یا پلیٹ اُس وقت تک دھندلی نہیں ہو سکتی جب تک اُس پر کسی طرف سے روشنی نہ پڑے۔

رونت گن صاحب نے سوچا یہ روشنی کہاں سے آئی جس نے ان پلیٹوں کو دھندلا کر دیا۔ تحقیق کرنے پر پتا چلا کہ الیکٹرون یا برقیات کی ایک رو ایک ویکیوم ٹیوب سے نکل کر پلیٹوں تک پہنچ گئی۔ شیشے کی اس ٹیوب کے دونوں سروں پر دھات کی دو سلاخیں یا پلیٹیں لگی ہوتی ہیں۔ ایک پلیٹ کو مُثبت برق سے اور دوسرے کو منفی سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ ایک پمپ کے ذریعہ سے ٹیوب کی ہوا باہر نکال دی جاتی ہے یعنی اس میں ویکیوم یا خلا پیدا کر دیا جاتا

ہے۔ اسی لیے اُسے ویکیوم ٹیوب کہتے ہیں۔ جب خلا پیدا ہو جاتا ہے تو منفی پلیٹ سے الیکٹرون یا برقیات کی ایک رو مثبت پلیٹ کی طرف جاری ہو جاتی ہے۔ الیکٹرون وہ نہایت خفیف منفی برقی چارج ہوتا ہے جو ایٹم کے مرکزے کے چاروں طرف گھومتا رہتا ہے۔

ویکیوم ٹیوب

رونت گن صاحب نے جب ایک ویکیوم ٹیوب میں ایک گیس کے اندر سے برقی رو گزاری تو انھوں نے دیکھا کہ تاریک کمرے میں ایک پردہ جس پر کیمیائی تہ چڑھی ہوئی تھی، یکایک دمک اُٹھا، کیوں کہ منفی پلیٹ سے خارج ہونے والے برقیات ایک عجیب و غریب قسم کی تاب ناکی پیدا کر رہے تھے۔ ٹیوب سے ایسی شعاعیں نکل رہی تھیں جن کا تجربہ پہلے نہیں ہوا تھا۔

رونت گن صاحب کو ان شعاعوں سے مزید دل چسپی پیدا ہوئی اور انھوں نے اُن پر کچھ اور تجربے کیے۔ انھوں نے دیکھا کہ یہ شعاعیں سیاہ کاغذ حتیٰ کہ کمرے کے دروازے کے آر پار نکل جاتی ہیں۔ لکڑی کی موٹائی انھیں نہیں روک سکتی۔ اس طرح رونت گن نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ شعاعیں روشنی کی کرنوں سے قطعی مختلف ہوتی ہیں۔ اگرچہ شروع میں وہ اُن شعاعوں کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے۔ اس لیے انھوں نے ان شعاعوں کا نام ایکس ریز (X-RAYS) رکھ دیا۔ جب کسی چیز کا علم نہ ہو تو اُس پر ضرب کا نشان × لگا دیا جاتا ہے، جو انگریزی حرف ایکس جیسا ہے۔ اس طرح ان شعاعوں کا نام ایکس ریز پڑ گیا، جو ابھی تک چلا آ رہا ہے۔ یہ تھی ایکس ریز کی ابتدا۔ بعد میں اُن کی اصلیت اور خصوصیات سب معلوم ہو گئیں۔ اردو میں ہم انھیں "لاشعاعیں" کہتے ہیں۔

ایکس ریز کی دریافت

اب ہم جانتے ہیں کہ یہ شعاعیں نہایت تیز رفتار ہوتی ہیں۔ اُن میں گھسنے کی قوت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ شروع میں تو اس قوت سے کوئی خاص فائدہ نہیں اُٹھایا گیا لیکن بعد میں انھیں طب اور جراحی میں استعمال کیا جانے لگا۔ انھیں استعمال کرنے کے لیے کانچ کی ایک ٹیوب استعمال کی جاتی ہے جو "ایکس ریز ٹیوب" کہلاتی ہے۔ اُس کے اندر مکمل خلا ہوتا ہے۔ اس کی منفی پلیٹ سے برقیات نکل کر ایک سخت دھات پر مرکوز ہو جاتے ہیں اور اس سخت دھات

سے ایکس ریز یا لا شعاعیں نکلتی ہیں۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ ایکس ریز گوشت کے علاوہ ہماری ہڈیوں میں سے بھی گزر سکتی ہیں تو انھیں جسم کے اندرونی حصّوں کی تصویر لینے کے لیے استعمال کیا گیا۔ اس سے پہلے یہ سہولت میسر نہ تھی۔ جب کسی حادثے کی وجہ سے کسی کی ہڈی ٹوٹ جاتی تھی تو صرف اندازے سے ہی اُسے جوڑنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ ایکس ریز گوشت اور ہڈی کی صاف تصویر کھینچ دیتی ہیں۔ اگر ہڈی کسی جگہ سے ٹوٹ گئی ہے یا شگاف پیدا ہو گیا ہے تو وہ خلا صاف نظر آجاتا ہے۔ اُن کی مدد سے جراحی میں نئی آسانیاں پیدا ہوئی ہیں اور آپریشن آسان اور کامیاب ہو گئے ہیں۔

ایکس ریز میں فوٹو گرافک پلیٹ اور فلم کو متاثر کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ دقِ وسل کے مریضوں اور جنگ کے دوران زخمی ہونے والوں کی انھوں نے بڑی خدمت کی ہے۔ گوشت میں پھنسی ہوئی گولی، سوئی، ٹوٹی ہوئی ہڈی کی کرچیں، ہڈی کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا اور پھیپھڑوں اور دل کے نقائص تک ایکس ریز سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ دانت کی ٹوٹی ہوئی جڑ ایکس ریز کے سوا کسی اور ذریعہ سے واضح نہیں ہو سکتی۔

کیمیائی اشیا کا استعمال

اب ہڈی اور گوشت کے علاوہ جسم کے شفاف حصّوں کی تصویر لینا بھی ممکن ہو گیا ہے، مثلاً معدے کی نالی جس میں سے غذا گزرتی ہے ٹھوس نہیں ہوتی۔ اب مریض کو ایسی چیزیں پلائی جاتی ہیں جس میں ایک کیمیائی جزو (کیمیکل) شامل ہوتا ہے۔ جب یہ مرکب معدے کی نالی سے گزرتا ہے تو فوٹو گرافک فلم پر اندر کی تصویر آجاتی ہے اور پتا چل جاتا ہے کہ کہاں کیا خرابی ہے۔

ایکس ریز صنعت و حرفت میں

طبّی خدمات کے علاوہ اب ایکس ریز صنعت و حرفت میں بڑی مددگار ثابت ہو رہی ہیں۔ بحری جہازوں کی تلی کے باریک شگاف جو آنکھوں سے نظر نہیں آتے، وہ ایکس ریز کے ذریعہ سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ دھاتوں کے جوڑ، اصلی اور نقلی ہیروں کی پہچان اور مشینوں کی

ٹوٹ پھوٹ وغیرہ، سب ان شعاعوں کی مدد سے حاصل ہو جاتا ہے۔ کسی پیکٹ کو کھولے بغیر اندر کی چیز معلوم کر لینے میں ایکس ریز سے مدد لی جاتی ہے۔

ایکس ریز مریضوں کے لیے تو مفید ثابت ہوئیں، لیکن شروع میں ڈاکٹروں کو اُن سے نقصان پہنچا۔ اُن کے جسم پر سخت ورم پیدا ہو گیا اور بعض ڈاکٹروں نے یہ محسوس کیا کہ اُن کے بال گر رہے ہیں۔ اس لیے اب ہسپتالوں میں ایکس رے کا عملہ مناسب حفاظتی لباس استعمال کرتا ہے۔

جلد کی بیماریوں کا علاج

ایکس ریز کی یہ خصوصیت اب جلد کی بیماریوں اور بعض دوسری بیماریوں کے علاج کے لیے استعمال کی جا رہی ہے۔ اِس طریقِ علاج میں بڑی احتیاط برتی جاتی ہے، کیوں کہ ایکس ریز بیمار اور تن درست سب خلیوں کے لیے یکساں طور پر تباہ کن ثابت ہوتی ہیں۔ اب نہایت اونچے وولٹیج سے مشینیں چلائی جاتی ہیں اور نہایت قوی ایکس ریز حاصل کی جاتی ہیں۔ اِن قوی شعاعوں کی گھسنے کی قوت زبردست ہوتی ہے۔ یہ شعاعیں نہایت مختصر وقفے کے لیے جسم سے گزاری جاتی ہیں اور پیچھے لگی ہوتی فلم پر اندر کی واضح تصویر پیش کر دیتی ہیں۔ یاد رکھیے کہ ایکس ریز کا زیادہ استعمال نقصان رساں ہے۔ اس لیے انتہائی ضرورت کے بغیر اپنے جسم کا ایکس رے نہ کرائیے۔

قصّہ اژدہا پکڑنے کا

(کہانیاں)

کتاب جس کو نیشنل بک کونسل پاکستان نے ۱۹۷۷ء کا پہلا انعام دیا

عام لوگ اژدہے کا نام سُن کر کانپ اٹھتے ہیں، لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جن کا مشغلہ اژدہے پکڑنا ہے۔ اس کتاب میں آپ ایک ایسے ہی نڈر شخص کی کہانی پڑھیں گے۔ یہ اور بہت سی دُوسری دل چسپ اور حیران کُن باتیں آپ کو اس کتاب کی آٹھ کہانیوں میں ملیں گی۔

قیمت:۔/۵ رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد

کراچی ۱۸

س : راکٹ کس نے ایجاد کیا اور کس سن میں بنایا گیا؟ اعجاز علی میمن، سکھر

ج : راکٹ کو چینیوں کی ایجاد کہا جاتا ہے۔ چین میں اب سے پانچ ہزار سال پہلے راکٹ موجود تھے۔ کسی ایک انسان کا نام موجد کے طور پر نہیں لیا جا سکتا۔ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ چین میں راکٹ کو ۱۲۳۰ء میں جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ ۱۸۰۷ء میں برطانیہ کے باشندوں نے کوپن ہیگن پر حملے کے دوران میں راکٹ استعمال کیے۔

س : ایک معلوماتی فلم میں آدمی کو مشینوں کے ذریعہ سے اُڑتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ یہ کس طرح ہوتا ہے۔ ریحان الیاس، کراچی

ج : اب تو اُڑنے والی مشینیں عام ہو چکی ہیں۔ ہوائی جہاز بھی اُڑنے والی مشین ہی ہے۔ فلموں میں ضرورت کے مطابق ان مشینوں کو کوئی بھی شکل دے دی جاتی ہے، لیکن اصول ایک ہی رہتا ہے۔ معلوم نہیں آپ نے کیسی مشین دیکھی تھی۔

س : چاند پر سیاہ دھبّے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ محمد نواز سیال، ضلع ساہی وال

ج : چاند اس وقت ایک مردہ دنیا ہے۔ اربوں سال پہلے وہ ہماری زمین سے پیدا ہوا تھا تو اس میں آگ بھری تھی۔ مدتوں وہاں آتش فشانی ہوتی رہی جس سے بہت بڑے بڑے دہانے بن گئے یہی دہانے ہمیں زمین سے سیاہ دھبّے نظر آتے ہیں۔

س: خلائی شٹل کے بارے میں کچھ بتائیں کہ وہ کیسے کام کرتا ہے، نیز ہم دوسرے ملکوں کے پروگرام براہِ راست ٹی وی پر کس اصول کے تحت دیکھ لیتے ہیں۔ آفاق سمیع، کراچی

ج: خلائی شٹل اصل میں ایک بڑا راکٹ ہے۔ چوں کہ وہ زمین اور خلا کے درمیان چلتی رہتی ہے، کبھی چلی جاتی ہے اور کبھی زمین پر واپس آجاتی ہے اس لیے اسے شٹل کہا جانے لگا۔ وہ اُسی اصول کے تحت چلتی ہے جس اصول کے تحت دوسرے راکٹ چلتے ہیں یعنی عمل اور ردِ عمل۔ راکٹ میں نہایت قوی ایندھن استعمال کیا جاتا ہے جو اسے کئی سو میل کی بلندی تک لے جاکر زمین کے متوازی کر دیتا ہے۔ اس کے بعد راکٹ زمین کی کشش کے تحت اس کے چاروں طرف گردش کرنے لگتا ہے، پھر اسے ایندھن کی ضرورت نہیں پڑتی۔ خلاباز اور سائنس داں راکٹ کے اندر ہی رہتے ہیں۔ کبھی باہر بھی نکل آتے ہیں اور تجربات کرتے ہیں۔

دور دراز ملکوں کے ٹی وی پروگرام مصنوعی سیارے کی مدد سے نظر آتے ہیں۔ چوں کہ ہماری زمین گول ہے اس لیے پروگراموں کی لہریں تھوڑے فاصلے کے بعد ہی اٹک جاتی ہیں، لیکن اگر بہت زیادہ بلندی پر کوئی سیارہ موجود ہو جو ان لہروں کو موصول کرکے زمین کے دوسرے ممالک کی جانب پھیر دے تو ظاہر ہے کہ ٹی وی پروگرام دوسرے ملکوں میں بھی نظر آجائیں گے۔ مصنوعی سیارے میں یہ انتظام ہوتا ہے کہ وہ زمین سے آنے والے کم زور پروگراموں کو قوت دے کر پھر زمین کی طرف نشر کر دیتا ہے اور یوں ہم اپنے ٹی وی سیٹ پر دُور دراز کے پروگرام بھی دیکھ لیتے ہیں۔

س: جب گرم لُو چلتی ہے تو کچے گھڑوں کا پانی ٹھنڈا کیوں ہو جاتا ہے؟

مشتاق احمد خلجی، کراچی

ج: گرم لُو گرم ہونے کے ساتھ ساتھ خشک بھی ہوتی ہے اور پانی کے بخارات اُڑا لینے کے لیے تیار رہتی ہے۔ گھڑوں میں باریک سوراخ یا مسام ہوتے ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتے۔ اُن میں سے تھوڑا تھوڑا پانی رِس کر باہر آتا رہتا ہے اور تیز لُو اس پانی کو بخارات بنا کر اڑاتی رہتی ہے۔ بخارات بننے سے گھڑوں پر خنکی پیدا ہو جاتی ہے، جس سے اُن کا پانی ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

س: بجلی کی رفتار کیا ہے؟ ضیاء الرحمٰن جنجوعہ فانی، کوٹلی آزاد کشمیر

ج: ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ۔

س: دنیا میں سانپوں کی کتنی قسمیں پائی جاتی ہیں اور سب سے زہریلا سانپ کون سا ہوتا ہے؟
محمد خالد صدیق، کراچی

ج: دنیا میں سانپوں کی بے شمار اقسام پائی جاتی ہیں۔ کچھ خشکی پر رہتے ہیں اور کچھ پانی میں۔ سانپ چھوٹے بھی ہوتے ہیں اور بڑے بھی، جنھیں ہم اژدہا کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی بہت سی قسمیں ہیں، لیکن سب سے زہریلا سانپ سیاہ کوبرا ہوتا ہے جو ہندو پاکستان کے علاوہ افریقہ اور دنیا کے بعض دوسرے گرم ملکوں میں ملتا ہے۔

س: کاغذ کس چیز سے بنتا ہے؟ سلیم احمد سومرو، سکھر

ج: کاغذ خود کاغذ کی ردّی، ملائم لکڑی کے گودے، ملائم گھاس پھوس، چیتھڑوں وغیرہ سے بنتا ہے۔

س: آتش فشاں پہاڑ کن وجوہات کی بنا پر لاوا اگلتے ہیں اور اس لاوے سے کس طرح کے نقصان کی توقع کی جا سکتی ہے۔ عبدالرزاق انصاری، کراچی

ج: مشہور بات ہے کہ ہماری زمین سورج سے پیدا ہوئی تھی۔ لاکھوں کروڑوں برس گزر جانے کے بعد وہ باہر سے تو ٹھنڈی ہو گئی، لیکن اس کے اندر پہلے کی طرح آگ بھری ہوئی ہے۔ اس پگھلے ہوئے نہایت گرم مادّے کو ہم لاوا کہتے ہیں۔ جن پہاڑوں کے دہانے کم زور ہیں اور زمین کے اندرونی پریشر کو برداشت نہیں کر سکتے وہاں سے یہ لاوا پھوٹ کر باہر نکل آتا ہے اور میلوں تک بہتا چلا جاتا ہے۔ اُس کی راہ میں جو کچھ آتا ہے وہ جل بھُن کر راکھ ہو جاتا ہے۔ انسانی، حیوانی جانیں ضائع ہونے کے علاوہ کھڑی فصلیں جل کر تباہ ہو جاتی ہیں۔ حال ہی میں کولمبیا میں لاوے سے جو تباہی آئی ہے اُس کی تفصیل آپ نے اخباروں میں پڑھ لی ہو گی۔

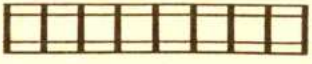

! اس شمارے کے مشکل الفاظ !

ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا گیا ہے جس سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے۔ یہ اشارے اس طرح سے لکھے ہوئے ہیں: ع = عربی، ف = فارسی، ہ = ہندی، س = سنسکرت، ت = ترکی، انگ = انگریزی، الف = اردو۔

خالق :(ع) خَالِق : پیدا کرنے والا، خدا کا نام۔

منصب دار:(ف) مَنْصَب دَار : عہدہ دار، عامل۔

مہرِ نبوت:(ف) مُہرِ نُبُوَّت : وہ نقش مبارک جو رسولؐ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان تھا۔

جوق جوق :(ت) جُوق جُوق : گروہ گروہ، بہت بہت سے۔

بے جگر :(ف) بے جِگر : بے پروا۔

آگا :(ھ) آگا : سامنا۔

زوال :(ع) زَوَال : کمی، گھٹاؤ، اُتار۔

منتشر :(ع) مُنتَشِر : افتشار، پراگندہ ہونا، بکھرنے والا۔

مغلوب :(ع) مَغْلُوب : غلبے میں آیا ہوا، شکست کھایا ہوا۔

جادوانی :(ف) جاوِدَانی : ہمیشگی۔

میانہ روی :(ف) میانہ رَوِی : اعتدال، کفایت شعاری، اوسط درجے کی رَوِش۔

معلق :(ع) مُعَلَّق : آویزاں، لٹکا ہوا۔

فہم :(ع) فَہم : سمجھ، دانائی۔

آراستہ :(ف) آرَاسْتَہ : سجایا ہوا۔

منبت کاری:(ف) مُنَبَّت کَارِی : اُبھرے نقش کا کام۔

تشبیہ :(ع) تَشْبِیہ : ایک چیز کو دوسری چیز کے مانند ٹھیرانا۔

کیف :(ف) کَیف : نشہ، مستی۔

خس وخاشاک:(ف) خَسْ وخَاشَاک : کوڑا کرکٹ۔

چندھا :(ھ) چُندَھا : چھوٹی آنکھوں والا، کم نظر۔

منافی :(ع) مُنَافِی : ضد، خلاف۔

وضع داری:(ف) وَضْع دَاری : خوش اسلوبی، آدابِ معاشرت پر قائم رہنا۔

فریضہ :(ع) فَرِیضَہ : جو چیز کہ ضروری ہو۔

پتوار :(ھ) پَتْوَار : وہ لکڑی جس سے کشتی کو موڑتے ہیں۔

ثانیہ :(ع) ثَانِیَہ : پل، سیکنڈ۔

بحر :(ع) بَحْر : سمندر، دریا۔

دسترس :(ف) دَسْتَرَس : پہنچ، رسائی، حیثیت۔

قناعت :(ع) قَنَاعَت : تھوڑی چیز پر رضامندی۔

آلۂ کار :(ف) آلَۂ کَار : کام کا آلہ، وہ شخص جس سے کوئی دوسرا جس طرح چاہے کام لیتا ہو۔

بزم ہمدرد نونہال

HAMDARD

شہزاد منظر

آؤ وقت کی قدر کریں

۱۶۔ فروری ۱۹۸۶ء کو "بزم ہمدرد نونہال" کا ساتواں پروگرام قدرے مختلف انداز میں منعقد ہوا۔ اس دفعہ جناب محترم سید ہاشم رضا کو بچّوں سے خطاب کرنے کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ جناب سید صاحب بڑے باغ و بہار انسان ہیں۔ دن رات خوب کام کرتے ہیں۔ وہ ادیب بھی ہیں، شاعر بھی اور اعلا درجے کے منتظم بھی۔ وہ قیامِ پاکستان کے بعد شہر کراچی کے ایڈمنسٹریٹر بھی رہ چکے ہیں۔ ۱۶ فروری کو سید صاحب کی تاریخ پیدائش بھی تھی۔ وہ اس روز ۷۵ سال کے ہو گئے تھے۔ ان کے بیان کے مطابق انھوں نے زندگی میں کبھی سال گرہ نہیں منائی، کیوں کہ ان کے دَور میں سال گرہ منانے کی رسم ہی نہیں تھی، لیکن بزم ہمدرد نونہال نے انھیں ان کی ۷۵ ویں سال گرہ منانے کے لیے دعوت دی تو وہ ازراہِ کرم زحمت فرما کر تقریب میں تشریف لائے۔ تمام نونہال وقتِ مقررہ پر ہال میں پہنچ چکے تھے۔ سب سے پہلے نونہال قاری محمد اشرف نے تلاوتِ

حاضرینِ بزم ہمدرد نونہال

قرآن مجید کی۔ اس کے بعد نونہال سید دانش مظہر نے نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی۔ یہ نعت تحریکِ پاکستان کے ممتاز رہنما سردار عبدالرب نشتر نے کہی تھی اور جسے سید ہاشم رضا نے فراہم کیا تھا۔ اس کے بعد ہیپی ہوم اسکول کی بچیوں نے ملّی نغمہ "میرے پاکستان تجھ کو اللہ رکھے" نہایت خوب صورتی سے گا کر سُنایا۔ اس دفعہ کی بزم ہمدرد نونہال کا مرکزی موضوع "وقت کی پابندی" تھا۔ جیسا کہ قارئین جانتے ہیں وقت کی پابندی بچّوں اور بڑوں کی محبوب شخصیت جناب محترم حکیم محمد سعید کا بنیادی اصول ہے۔ وہ خود بھی وقت کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے ہیں اور دوسروں کو خصوصاً بچّوں کو بھی وقت کی پابندی کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔

جناب محترم حکیم محمد سعید صاحب کی ایک تحریک "تحریک وقت" بھی ہے۔ اس تحریک سے متاثر ہو کر ہیپی ہوم اسکول کے نونہالوں نے بزم ہمدرد نونہال منعقدہ ۱۶ فروری ۱۹۸۶ء میں یہ نظم پیش کی۔

وقت اللہ کی امانت ہے — وقت کی قدر اِک عبادت ہے
وہ جنھیں وقت سے محبّت ہے — اُن پہ اللہ کی عنایت ہے
وقت پہ کام وقت پہ آرام — یہ بڑوں کی ہمیں ہدایت ہے
وقت پہ سونا وقت پہ اُٹھنا — اچھے بچّوں کی اچھی عادت ہے
وقت اُن ہی کو راس آتا ہے — جن کے نزدیک وقت نعمت ہے
وقت ہی وقت کی ضرورت ہے — بزم ہمدرد کی نصیحت ہے

ہیپی ہوم گرلز اسکول کی طالبات نغمہ سُنا رہی ہیں

جناب حکیم محمد سعید اور ڈاکٹر الیف۔ یو بقائی صاحب نونہالوں کے ساتھ شمعیں روشن کر رہے ہیں۔

اس کے بعد ہمدرد فاؤنڈیشن کی نائب صدر محترمہ سعدیہ ہمدرد نے کلماتِ خیر مقدم ادا کرتے ہوئے کہا کہ "الحمد للہ، آج بزمِ ہمدرد نونہال کا ساتواں پروگرام ہے۔ بچّوں کی دنیا کے اس بامقصد پروگرام نے تعمیر کی راہوں کو ہموار کرنے کی پُرخلوص کوشش کی ہے۔ وطنِ عزیز کے نونہالوں کی تربیت کے لیے جناب محترم حکیم محمد سعید صاحب نے یہ پروگرام بڑی چاہت سے اور بڑی محبّت

صابرہ سلطانہ پندرھویں سال گرہ کا کیک کاٹ رہی ہیں۔

جناب محترم حکیم محمد سعید بچّوں سے باتیں کر رہے ہیں ۔ سعدیہ ہمدرد کلمات آغاز پیش کر رہی ہیں

سے شروع کیا ہے ۔ حکیم صاحب محترم کو ننھے مُنّے بچّوں سے بہت محبّت ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ گلشنِ پاکستان کے یہ پھول سدا کھلے رہیں ۔ خود ہمدرد، نونہالانِ وطن کے لیے مختلف راہوں سے مصروفِ خدمت ہے ۔ بچّوں کے لیے ہمدرد میں خود ایک الگ شعبہ ہے، جہاں بچّوں کے لیے غور ہوتا رہتا ہے ۔ ذرا غور کیجیے کہ یہ کتنا دل چسپ موقع ہے کہ کراچی کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے نونہال جمع ہوئے ہیں ۔ ان کو اچھی اچھی باتیں سننے کا موقع ملا ہے اور اپنے بزرگوں کے سبق آموز واقعات معلوم کرنے کا وسیلہ پیدا ہوا ہے اور پھر تربیت کے ساتھ تفریح کا سامان بھی فراہم ہوا ہے ۔ آج کے مہمانِ خصوصی جناب محترم سید ہاشم رضا بڑی دل چسپ شخصیت کے مالک ہیں ۔ بچّوں کے لیے جناب سید صاحب میں ایک خاص کشش ہے ۔ آج کا دن ان کی زندگی کا ایک اہم دن ہے ۔ وہ الحمد للہ ۷۵ برس کے ہو گئے اور ہم جانتے ہیں کہ سید صاحب نے اپنی عمرِ عزیز کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا ہے اور پہلے کی طرح وہ آج بھی کام میں مصروف ہیں ۔ ہماری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ :

وہ سلامت رہیں ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

جناب محترم سید ہاشم رضا نے بچّوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "مجھے بچّوں سے اتنا لگاؤ ہے کہ میں اس کا اظہار نہیں کر سکتا۔ میرے خیال میں کسی ملک کے لیے سب سے بڑی دولت بچّے ہوتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس ملک میں ایسے ہونہار بچّے ہوں وہ ملک ہمیشہ کامیاب رہے گا۔ صرف بچّوں سے ہی مستقبل کی اُمید کی جا سکتی ہے، جو لوگ ان منزلوں سے گزر چکے ہیں، وہ پھر سے اپنی زندگی نہیں بنا سکتے، لیکن یہ جو بچّے ہیں اگر انھیں صحیح تربیت اور صحیح تعلیم دی جائے تو ان سے مستقبل سنور سکتا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ میں ان بچّوں سے کیا گفت گو کروں۔ انھیں لیکچر دوں یا نصیحت کروں، لیکن حکیم صاحب نے مجھے ایک موضوع دیا ہے اور وہ ہے "وقت"۔

سید ہاشم رضا (مہمانِ خصوصی) حاضرینِ بزم سے مخاطب ہیں۔

وقت کی پابندی بہت ضروری ہے۔ وقت کے بارے میں قرآن مجید میں سورہ العصر میں اللہ تعالیٰ نے وقت کی قسم کھائی ہے جس سے وقت کی قدر و قیمت کا پتا چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو سمجھنے کے لیے وقت سے بہتر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ وقت کیا ہے؟ وقت کسی کے لیے نہیں ٹھہرتا۔ وقت گزرتا رہتا ہے۔ وقت کے پیمانے سے لوگ عمروں کا اندازہ لگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں وقت کا سوال ہی نہیں ہے۔ وہ ازل سے ہے ابد تک رہے گا۔

جناب ہاشم رضا کو ٹنر پروگرام میں اوّل، دوم، سوم آنے والے بچّوں کو انعامات دے رہے ہیں۔

ہمارے رسول مقبولؐ کے بارے میں ہم نے پڑھا ہے کہ ایک دفعہ وقت رُک گیا تھا اور سیر وہ وقت تھا جب آپؐ معراج پر گئے تھے۔ آپؐ کو سارے آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ آپ نے ہر جگہ کو دیکھا پیغمبروں سے ملاقات کی۔ حضرت عیسیٰؑ سے آسمان میں ملاقات کی۔ آپؐ نے جنت دوزخ کا مشاہدہ کیا اور آپؐ جب گھر واپس آئے تو آپؐ کے دروازے کی کنڈی ہل رہی تھی۔ سوائے اس کے کہ وقت رُکا ہوا ہو، اس کی اور کوئی تشریح نہیں ملتی۔ حکیم صاحب نے بالکل صحیح کہا ہے کہ اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم وقت کی پابندی کریں۔ ایک واقعہ سُناتا ہوں۔ قائدِ اعظم ملک کے سربراہ تھے اور میں کراچی کا ایڈمنسٹریٹر تھا۔ ہر ہفتے میری اُن سے ملاقات ہوا کرتی تھی۔ ایک دفعہ میں اُن سے ملنے گیا۔ ملاقات کے لیے میرا جو وقت مقرر ہوتا تھا میں اس سے پندرہ منٹ قبل پہنچ جاتا تھا۔ میری ملاقات کے بعد اس وقت کے وزیر اعلا سندھ کا وقت مقرر تھا۔ میں جب ملاقات سے فارغ ہو کر واپس آیا تو میں نے کرنل برنی سے کہا کہ اب آپ وزیر اعلا صاحب کو قائدِ اعظم کے پاس بھیج دیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ وہ آئیں تو بھیجوں، وہ تو آئے ہی نہیں۔ اتنے میں وزیر اعلا پہنچ گئے۔ ان کی آمد میں سات منٹ تاخیر ہو گئی تھی۔ کرنل برنی نے اُن سے کہا کہ میں آپ کو قائدِ اعظم کی خدمت میں نہیں پیش کر سکتا۔ قائدِ اعظم کا ارشاد ہے کہ اگر کسی کی آمد میں پانچ منٹ تاخیر ہو تو بھیج دینا، لیکن اگر اس سے زیادہ تاخیر ہو تو اُس سے

جھلکیاں

○ اس دفعہ کی بزمِ ہمدرد نونہال کا مرکزی موضوع 'وقت کی پابندی' تھا۔

○ وقت کی پابندی جناب محترم حکیم محمد سعید کا بنیادی اصول ہے۔ ان کا نعرہ ہے:

'وقت اللہ کی امانت ہے'، 'وقت کی قدر ایک عبادت ہے'

چنانچہ اس قول کو شاعر نے نغمے کی صورت میں ڈھال دیا جسے بچوں نے خوب صورت انداز میں سنایا۔

○ جناب محترم سید ہاشم رضا نے بتایا کہ قائد اعظم مقررہ وقت سے اگر پانچ منٹ زیادہ ہو جاتے تو وہ کسی سے ملاقات نہیں کرتے تھے۔

ثمر بانو نے خوب صورت انداز میں نعت سُنا کر خصوصی انعام حاصل کیا۔

ملاقات کا وقت ختم۔ آپ کی آمد میں سات منٹ تاخیر ہوئی ہے۔ وزیر اعلا نے کہا: میری گھڑی کے مطابق تو صرف تین منٹ تاخیر ہوئی ہے آپ کی گھڑی آگے ہے۔ میری گھڑی گرینیچ وقت سے ملی ہوئی ہے۔ اس پر کرنل برنی نے کہا کہ میں گرینیچ وقت کو نہیں مانتا۔ میں تو قائد اعظم کے وقت کو مانتا ہوں۔ میری گھڑی قائد اعظم کی گھڑی سے ملی ہوئی ہے۔ میں اِسی پر عمل کرتا ہوں۔ وزیر اعلا نے فرمایا کہ آپ قائد اعظم کو اطلاع تو دے دیں کہ میں آیا ہوں۔ کرنل برنی نے ہاؤس ٹیلے فون پر قائد اعظم کو وزیر اعلا کی آمد کی اطلاع دی اور یہ بھی بتایا کہ اُن کے آنے میں سات منٹ تاخیر ہوئی ہے، لیکن ان کا کہنا ہے کہ اُن کی آمد میں صرف تین منٹ کی تاخیر ہوئی ہے۔ اس پر قائد اعظم نے فرمایا کہ ان سے کہیے کہ وہ کل دس بجے تشریف لائیں۔ قائد اعظم کی نظر میں وقت کی یہ اہمیت تھی۔ قائد اعظم میں بعض ایسی خوبیاں تھیں جو ہمارے اختیار سے باہر ہیں۔ ہم ان پر عمل نہیں کر سکتے۔ ہم میں وہ قابلیت نہیں ہے۔ قائد اعظم جس طرح پلے بڑھے، جس طرح انھوں نے کامیابیاں حاصل کیں، ہم نہیں کر سکتے، لیکن ایک چیز ایسی ہے جو

ہم سب اپنا سکتے ہیں اور وہ ہے وقت کی پابندی۔ ہر آدمی اگر وقت کی پابندی کا احترام کرے تو ہمارے ملک کی دولت بہت بڑھ سکتی ہے۔ جہاں تک بچّوں کا تعلق ہے، تعلیم و تربیت کی یکساں اہمیت ہے۔ تعلیم کی ذمے داری زیادہ تر اساتذہ پر ہے اور تربیت کی ذمے داری زیادہ تر والدین پر۔ بچّے بہت جلد گھر کے حالات کا اثر قبول کرتے ہیں اس لیے والدین کو احتیاط برتنی چاہیے۔ میں بچّوں سے مختصراً کہنا چاہتا ہوں کہ وہ بڑے خوش نصیب ہیں کہ وہ دورِ آزادی میں پیدا ہوتے ہیں۔ آج کے بچّے کتنے خوش نصیب ہیں جو ایک آزاد ملک کے بچّے ہیں۔ ہم آزاد ملک کے بچّے نہیں تھے۔ ہمیں جو آزادی ملی ہے وہ آسانی سے نہیں ملی۔ بچّوں کی یہ خوش نصیبی ہے کہ آپ اس شہر میں نشو و نما پا رہے ہیں جہاں قائدِ اعظم محمد علی جناح پیدا ہوئے اور سولہ سال کی عمر تک اسی عظیم اور خوب صورت شہر میں رہے۔ قائدِ اعظم اسی شہر کی گلیوں میں کھیل کُود کر بڑے ہوئے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح کے ساتھیوں میں لیاقت علی خاں بہت اہم تھے۔ لیاقت علی خاں اور قائدِ اعظم کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔ دونوں کی تعلیم انگلستان میں ہوئی۔ دونوں بیرسٹر تھے۔ قائدِ اور لیاقت علی خاں ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک ساتھ ساتھ رہے۔ دس سال تک قائدِ اعظم مسلم لیگ کے صدر اور لیاقت علی خاں سکریٹری جنرل منتخب ہوتے رہے۔ ان دونوں کا تعلق بھی اسی شہر سے تھا۔ میں بچّوں کو لیاقت علی خاں کے بارے میں یہ ساری باتیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ آج کا کوئز پروگرام لیاقت علی خاں کے بارے میں ہے۔"

اس کے بعد معمارِ پاکستان شہیدِ ملّت لیاقت علی خاں کوئز پروگرام شروع ہوا، جس میں بچّوں نے بڑے جوش و خروش سے حصّہ لیا اور لیاقت علی خاں کی زندگی اور کارناموں سے متعلق سوالات کے جوابات دیے، جن نونہالوں نے اس پروگرام میں اوّل، دوم اور سوم انعامات حاصل کیے، اُن کے نام یہ ہیں:

اول انعام: احمر مزمّل دوم انعام: مسعود احمد سوم انعام: زاہد آفاق

اس مقابلے میں جن دوسرے نونہالوں نے حصّہ لیا اُن کے نام یہ ہیں: فضل صدیقی، فرخ، عمران، محمد فیصل، فیصل منظور، عامر ارشد، محمد شکیل، حسن رضا، صدف انصاری، عبدالباسط اور فواد۔

ہمدرد فاؤنڈیشن کے صدر اور ماہ نامہ "ہمدرد نونہال" کی مجلسِ ادارت کے سربراہ جناب

محترم حکیم محمد سعید نے بچّوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج کی یہ محفل یقینی طور پر بہت دل چسپ رہی۔ جناب سید ہاشم رضا صاحب نے جس انداز سے اور جس محبّت اور پیار سے بچّوں کو اپنے بچپن کی باتیں سنائیں، وہ بہت مزے دار تھیں۔ بچّوں نے اس سے بڑا لطف اٹھایا۔ مجھے یقین ہے کہ انھوں نے جو باتیں کہی ہیں اور جو ہدایتیں دی ہیں ان پر بچّوں نے غور کیا ہو گا۔ بچّو! آپ جانتے ہیں کہ بزم ہمدرد نونہال ہم اس لیے منعقد کرتے ہیں کہ ہم اپنے بڑوں کی باتیں سُنیں اور یہ جانیں کہ وہ چھوٹے سے بڑے کس طرح بنے۔ بچّے ان کی باتیں سُن کر ان پر غور کریں اور یہ کوشش کریں کہ آج کے بچّے کل کے جوان اور آیندہ کے بڑے کس طرح بن سکتے ہیں۔ بزم ہمدرد نونہال کا مقصد یہی ہے کہ ہم بڑوں کی باتیں جان کر اپنی زندگیوں کو آیندہ ان کے نمونوں پر کس طرح ڈھالیں اور کس طرح ہم بڑے ہو جائیں۔ ہاشم رضا صاحب نے جو باتیں کہی ہیں، ان میں ایک وقت کی قدر کرنا تھا۔ اسی موضوع پر ہماری بچّیوں نے ایک نظم بھی سنائی ہے کہ وقت اللہ کی امانت ہے اور اس کا صحیح استعمال عبادت ہے۔ ہاشم رضا صاحب نے آپ کو بہت سی مثالیں دے کر اپنا مطلب بیان کیا ہے۔ مجھے یقین ہے ہمارے بچّے اس پر غور کریں گے اور اپنی زندگی میں وقت کی پابندی کو اپنا اصول بنائیں گے، کیوں کہ وقت کی قدر اور وقت کی پابندی کے بغیر ہمیں بہت سے نقصانات ہوتے ہیں۔ ہم آج اس کا احساس نہیں کرتے۔ ہمیں سمجھنا چاہیے کہ وقت کو ضائع کرنا، وقت کی ناقدری کرنا اور وقت کا صحیح استعمال نہ کرنا گناہ ہے۔ سید ہاشم رضا صاحب نے اپنی تقریر میں آزادی کی جانب اشارہ کیا ہے۔ ہمارے بچّے خوش قسمت ہیں جنھوں نے آزاد ملک میں جنم لیا ہے۔ ہم جیسے لوگ آزاد ملک میں پیدا نہیں ہوئے، ہم نے آزادی کی جنگ لڑی ہے۔ آزادی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا اکرام ہے کہ ہم آزاد ہیں۔ آزادی کی ہمیں قدر کرنی چاہیے۔ آزادی کی قدر کئی انداز سے کر سکتے ہیں۔ ہم آزادی کی قدر تعلیم حاصل کر کے کر سکتے ہیں۔ تعلیم نہیں ہو گی تو آزادی کو قائم رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ ہم آزادی کی حفاظت تعلیم سے کر سکتے ہیں، ہم آزادی کی حفاظت اچھی صحت سے کر سکتے ہیں۔ ہم آزادی کی حفاظت پاکستان سے محبّت کر کے کر سکتے ہیں۔ ہم آزادی کی حفاظت خود کفالتی سے کر سکتے ہیں۔ خود کفالتی کا مطلب ہے کہ جو چیزیں ہمارے ہاں ہیں وہ باہر سے نہ منگائیں اور خود ساری چیزیں پیدا کریں۔ یا باہر سے جو چیزیں

منگوانا بُری بات ہے۔ میں نے آج تک چائے نہیں پی۔ مجھے نہیں معلوم کہ چائے کا ذائقہ کیا ہوتا ہے۔ میں چائے اس لیے نہیں پیتا کہ اس میں کوئی غذائیت نہیں ہے۔ اس سے جسم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ میں چائے اس لیے نہیں پیتا کہ چائے پینے والے اونگھتے ہیں۔ چائے کے عادی لوگوں کو چائے نہ ملے تو وہ بیٹھے اونگھتے رہتے ہیں۔ جس چیز کی عادت پڑ جائے وہ اچھی نہیں ہوتی۔ چائے نہ پینے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ چائے ہمارے ملک میں پیدا نہیں ہوتی۔ چائے باہر سے آتی ہے۔ ہم اسے باہر سے خریدتے ہیں اور محض ذائقے کے لیے اپنی گاڑھے پسینے کی کمائی باہر بھیج دیتے ہیں۔ ہمارے پاس پیسے نہیں ہوتے تو ہم قرض مانگ کر چائے منگواتے ہیں۔ یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہوئی۔ ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سب چیزیں موجود ہیں۔ ننھے قاری نے سورۂ رحمٰن کی تلاوت کی تھی۔ میں ہمیشہ یہ کہتا ہوں کہ پاکستان سورۂ رحمٰن کی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ رحمٰن میں ۲۷ نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ غور کریں تو یہ سب پاکستان میں موجود ہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ ہم ان کو تلاش کریں۔ تلاش کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔ محنت کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ جو آدمی محنت نہیں کرے گا وہ تلاش نہیں کر سکے گا اور جو تلاش نہیں کرے گا وہ محروم رہے گا۔ ہمارے ہاں سب کچھ موجود ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم محنت کریں، علم حاصل کریں، عمل کریں اور اپنی منزل کو تلاش کر کے ملک کی دولت میں اضافہ کریں۔

صدر کے کلمات کے بعد نونہالانِ خوش آواز نے نغمۂ وطن "میں بھی پاکستان ہوں، تو بھی پاکستان ہے" پیش کیا۔ مہمانِ خصوصی سید ہاشم رضا کی ۷۵ ویں سال گرہ کی مناسبت سے نونہالوں نے ۷۵ شمعیں روشن کیں۔ اتفاق سے ۱۶ فروری کو نونہال صابرہ سلطانہ کی بھی ۱۵ ویں سال گرہ تھی۔ چناں چہ اس نے بھی کتاب کی صورت میں بنا ہوا اپنی سال گرہ کا کیک کاٹا۔ سید ہاشم رضا کا کیک گھڑی کی شکل میں بنا ہوا تھا، جو وقت کی علامت تھا اور اس میں گھڑی کی سوئی چھے بجا رہی تھی۔ چناں چہ یہ کیک ٹھیک چھے بجے کاٹا گیا۔ جناب محترم حکیم محمد سعید نے انھیں کیک کاٹنے میں مدد دی۔ سب سے آخر میں پرائمری سیکشن آغا خاں گرلز اسکول کھارادر کی چھے سالہ ننھی منّی گڑیا جیسی ثمر بانو نے بہت خوب صورتی سے نعتِ رسولؐ پڑھ کر سُنائی۔ اس کے بعد یہ شان دار تقریب ختم ہو گئی۔

معلوماتِ عامّہ ۲۴۰

اس بار بھی سوالات کی تعداد ۱۲ ہے۔ ۱۰ یا زیادہ صحیح جوابات والوں کی تصویریں شائع کی جائیں گی۔ تصویریں نہ ہوئیں تو ان کے نام اور ۹ صحیح جوابات والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۱۵ اپریل ۱۹۸۶ء تک بھیج دیجیے۔ جوابات کے کاغذ پر نیچے اپنے نام اور پتے کے علاوہ کچھ نہ لکھیے۔ تصویر کے پیچھے بھی اپنا نام اور شہر یا گاؤں کا نام صاف صاف لکھیے۔ نام پتا جوابات کے پیچھے نہیں نیچے لکھیے۔ پتا لفافے پر بھی نہ لکھیے۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں کتنے سال چھوٹے تھے؟

۲۔ اقوامِ متحدہ (یو۔این) کی بنیاد کب اور کہاں رکھی گئی؟

۳۔ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (اسلام آباد) کب قائم ہوا تھا؟

۴۔ انعام یافتہ کتاب "جب امرتسر جل رہا تھا" کن صاحب کی تصنیف ہے؟

۵۔ قطر اور بحرین کب آزاد ہوئے؟

۶۔ دریائے سندھ کا سرچشمہ کہاں ہے؟

۷۔ پاکستان نے پہلا عالمی ہاکی کپ کس سنہ میں حاصل کیا؟

۸۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ گرمی کہاں پڑتی ہے؟

۹۔ امریکی صدر جون۔ایف کنیڈی کب قتل کیے گئے؟

۱۰۔ البرٹ آئن سٹائن کو ۱۹۲۱ء میں طبیعیات کا نوبیل انعام ملا تھا۔ بتائیے وہ اس وقت کس ملک کے رہنے والے تھے؟

۱۱۔ بتائیے ڈائنامیٹ کس سائنس داں کی ایجاد ہے؟

۱۲۔ پہلا انسان نیل آرم اسٹرونگ کس سن میں چاند پر اترا تھا؟

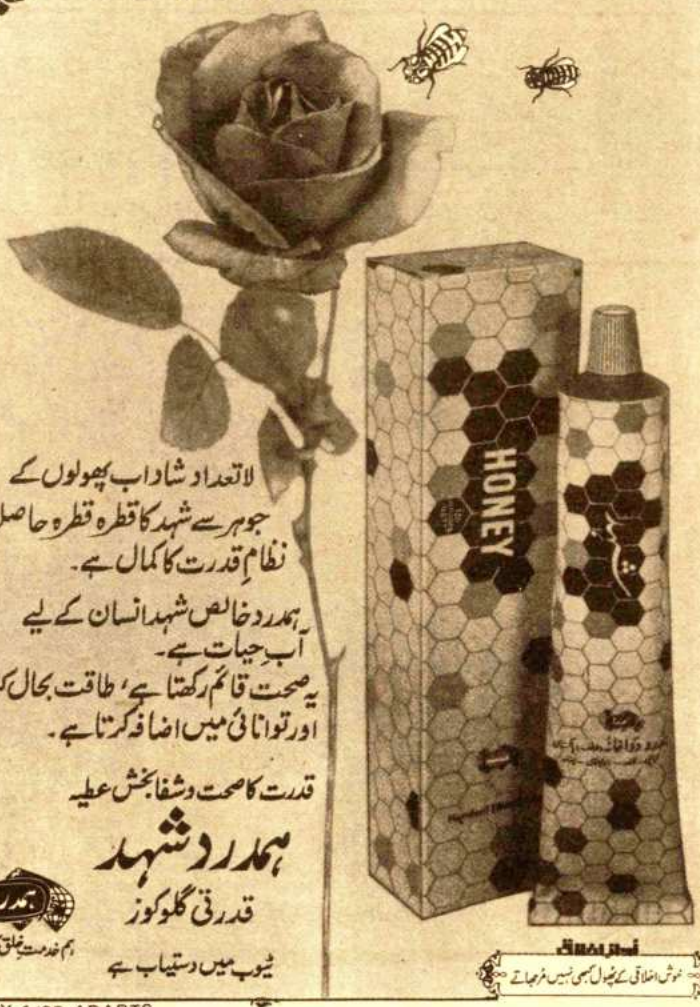

HMD/HNY-1/85 ADARTS

نونہال مصوّر

پرنم جان، کراچی

محمد مبشر اقبال، ہری پور

تہمینہ ریاض عالم، کراچی

صائمہ حسن، کراچی

سید مبشر قادری، کراچی

منتخب کہانیاں

خاص نمبر (ستمبر ۸۵ء) میں انعامی کہانیوں کا اعلان کیا گیا۔ اس میں جو کہانیاں اول، دوم اور سوم آئی تھیں وہ فروری ۸۶ء میں شائع ہوئی تھیں۔ ان کے علاوہ پندرہ اچھی کہانیوں میں سے دو کہانیاں یہاں شائع کی جا رہی ہیں۔ باقی آیندہ شائع کی جائیں گی۔

امتحان اور ہم

عامر وسیم، سیالکوٹ

"امتحان سر پر آ گیا ہے اور صاحب زادے کو دیکھو کوئی فکر ہی نہیں۔" یہ الفاظ میرے ابّو کے تھے۔ اس فقرے سے ہی ظاہر ہو جاتا ہے کہ مشکل دن شروع ہو گئے یعنی امتحانات اور پڑھائی کے دن۔ بہ قول میرے ابّو کے "اس نے تو صرف سارا سال گُدکڑے لگانے میں صرف کیا ہے۔" اب دیکھیں نا آخر ہم بھی انسان ہیں اور ہمارے بھی جذبات ہیں۔ ابّو نے ہمارے تمام مہذّب کھیلوں کو گدکڑوں سے تشبیہ دے دی۔ جس کی وجہ سے سارا موڈ خراب ہو گیا۔ خیر اس وقت تو ہم نے پڑھائی میں سنجیدہ ہو جانے ہی میں عافیت جانی اور کتابوں پر سارا سال کی جمی گرد جھاڑنے لگے، تو پتا چلا کہ جغرافیہ کی کتاب تو دیمک چاٹ چکی ہے، لیکن یہ کوئی فکر کی بات نہیں۔ آخر کسی جان دار کا پیٹ بھرنا بھی تو نیکی ہے اور ہم نے بھی یہی نیکی کی ہے یعنی دیمک کو اپنی کتاب کھلا کر زندہ رکھا۔ ہم نے سمجھ لیا کہ ہم اس مضمون میں تو پاس ہو ہی جائیں گے۔ (اپنی نیکی کی بدولت)

اب مسئلہ باقی کتابوں کا تھا یعنی اردو کی کتاب موجود اور گرامر غائب، اسی طرح جیومیٹری کی کاپی اور انگلش کی کتاب کا بھی کوئی پتا نہیں تھا، ابھی چھے مہینے پہلے تو موجود تھی، اب نہ جانے کدھر گئی۔ چھوٹے بھائی کی شرارت ہو گی، لیکن یہ موقع غصّہ اُتارنے کا نہیں تھا، اسے لالچ دے کر اپنے ساتھ ملایا اور تلاش شروع کر دی۔

کوئی دو تین گھنٹے کی تلاش کے بعد پتا چلا کہ انگلش کی کتاب تو میز پر پڑی تھی جب کہ ہم کوئی دس مرتبہ

بیگ کے اندر جھانک چکے تھے۔ اردو کی گرائمر ردّی میں سے ملی۔ خدا کا شکر ادا کیا کہ امتحان جلدی ہو گئے ورنہ کتاب تو ردّی کے ساتھ چلی جاتی۔ جیومیٹری کی کاپی نہ ملنی تھی نہ ملی۔

اب مرحلہ آیا پڑھنے کا۔ سب سے پہلے سب کتابوں کو بڑے سلیقے سے میز پر سجایا اور پنسل اور پنسل تراش رکھا، پین اور دیگر چیزیں رکھیں۔ اس میں تقریباً ایک گھنٹہ لگا۔ آخر یہ بھی تو پڑھائی کا ایک حصّہ ہے نا۔ اب ایک اور مسئلہ تھا۔ یعنی کون سی کتاب پڑھی جائے پہلے سوچا کہ انگلش پڑھتے ہیں پھر سوچا نہیں ریاضی زیادہ ضروری ہے۔ وہی پڑھی جائے..... نہیں اردو اپنی قومی زبان ہے اس لیے وہی پڑھی جائے۔ آخر تنگ آ کر سب چیزوں کو ایک ہی دن شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ ذہن نے مشورہ دیا کہ سب کتابوں کے صفحات کو جمع کر کے دِنوں پر تقسیم کرتے ہیں اس طرح امتحان تک ہم ہر روز رکے ہوئے صفحات پڑھیں گے اور کام ختم بھی کر لیں گے۔

چناں چہ بڑے زور و شور سے ضرب تقسیم شروع ہوئی۔ مل ملا کر ۵۷۸ صفحات روز کے بنے۔ ارے باپ رے باپ یہ تو بہت زیادہ ہیں۔ ضرور ضرب تقسیم میں غلطی ہوئی ہو گی تو جناب ہم نے اپنا نیا کیلکولیٹر نکالا۔ اور پھر ضرب تقسیم کی جواب پھر وہی۔ ہیں یہ کیا؟ پھر سوچا نیا ہے اس پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ ابّو والا کیلکولیٹر لیتے ہیں۔ بڑی مشکل سے ابّو کی الماری سے نکال کر لائے تقسیم دی گئی جواب پھر وہی۔ یا خدا یہ تو بہت قابلِ اعتبار تھا یعنی یہ بھی گیا۔ ضرور گرمی کی وجہ سے تمام کیلکولیٹر خراب ہو گئے ہیں۔ یعنی ۵۷۸ صفحے روزانہ، جب کہ ہم نے تو ۵ صفحے بھی روز باقاعدگی سے نہیں پڑھے۔

اب ہم پڑھنے لگے پہلا مضمون تھا سائنس، پہلا باب نہایت بور تھا اور دوسرا والا..... دوسرا والا تو بہت لمبا تھا۔ یہ ٹھیک نہیں تیسرے باب سے شروع کرتے ہیں، کیوں کہ یہ کافی دل چسپ معلوم ہوتا ہے۔ اس میں جہازوں اور راکٹوں کی تصویریں بھی تھیں اس لیے اسے ہی پڑھنا شروع کیا۔ راکٹ کا اصول بھی لکھا تھا۔ ہمیں خیال آیا کہ اتنا آسان سا طریقہ ہے۔ ہم ان امتحانات سے فارغ ہو جائیں پھر راکٹ بنائیں گے اور تصوّر ہی میں راکٹ کو بنتے اور اُڑتے دیکھتے رہے کہ اچانک دھما کا ہوا۔ پتا چلا کہ کتاب ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گری ہے۔ راکٹ پر اتنا غصّہ آیا کہ کتاب ایک طرف رکھ دی اور تاریخ پڑھنے لگے "ایک دن کولمبس اپنے جہاز پر سفر کر رہا تھا کہ ایک فقیر اس کے پاس آیا" لاحول ولا قوۃ یہ فقیر کہاں سے آ گیا۔ کولمبس کے پاس تو جہاز پنٹا کا کپتان آیا تھا۔ فقیر تو باہر گلی میں آیا ہے۔ سخت غصّہ آیا، لیکن یہ سوچ کر اسے پیسے دے دیے کہ شاید اُسی کی دعا سے پاس ہو جاؤں۔ دوبارہ کتاب کھولی ہی تھی کہ بھائی نے آ کر بتایا کہ ٹی وی پر زبردست

انگریزی فلم آرہی ہے۔ تاریخی فلم ہے (کسی جنگ کی) اچھا ہم نے آنکھیں جھپکائیں اور دوسرے ہی لمحے ہم ٹی وی کے سامنے تھے۔ خیر اسی طرح دن گزرتے رہے اور امتحان آئے اور گزر گئے۔ اب رزلٹ کا انتظار تھا۔ اللہ اللہ کر کے رزلٹ والا دن آیا۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ یقین تھا کہ یہ سال اسی کلاس میں گزرے گا لیکن رزلٹ کارڈ پر نظر پڑی تو یہ کیا؟ ہم پاس ہو گئے۔ لوگ، ہمیں مبارک باد دے رہے تھے اور ہم سوچ رہے تھے کہ ہم دیمک کی دعا سے پاس ہوتے ہیں یا اس فقیر کی۔

ہم بنے شاعر

سید شاہ عابد حسین

ہمیں شاعر بننے کا بہت شوق تھا اور افسوس تو اسی بات کا ہے کہ شوق تو ہمیں تھا، لیکن جب بھی شاعری کی غرض سے قلم کاپی سنبھال کر بیٹھتے تو یہ سوچتے ہی رہ جاتے کہ کس طرح شروع کریں، کس موضوع پر لکھیں اور کیا لکھیں اور آخر کار جی اُکتا جاتا اور ہم اپنے اس دماغ کو کوستے ہوئے سو جاتے جس پہ ہمیں بہت ناز تھا۔ اب آپ سے کیا چھپانا کہ ہم نے شاعر بننے کے لیے کیا نہیں کیا۔ سر میں صبح و شام تیل کی خوب مالش کرتے، منھ میں ہر وقت بادام، پستے اور میوے ٹھونسے رہتے اور اس کے علاوہ ہر وقت پھلوں سے بھی خوب شغل کیا کرتے تھے تاکہ ہمارا ذہن قوی اور روشن ہو۔ ہونا تو یہی چاہیے تھا کہ ہمارا ذہن خوب اشعار اُگلتا اور ہم دیوان کے دیوان چھاپ دیتے، لیکن ہمارا یہ نامعقول ذہن کب ہوش میں آتا، جیسا پہلے تھا ویسا ہی رہا۔ غرض ہر طرح کی کوشش کر کے دیکھ لیا، لیکن ہمارے اس ذہن نے کبھی بھی ہماری خواہشوں کا احترام نہ کیا۔

ایک دن ہم نے مصمم ارادہ کیا کہ چاہے آج کچھ بھی ہو جائے ہم اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنائیں گے۔ اپنے اس مقصد کے لیے ہم اپنے کمرے میں گئے اور سر میں اتنا تیل ڈالا کہ وہ گرنے لگا مگر ہم نے اس کی بالکل بھی پروا نہ کی اور مٹھی بھر بادام لیے اور چبانے لگے تاکہ ہمارا ذہن خوب روشن ہو اور ہم اپنے اس عظیم مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔ پھر ہم کرسی پر دراز ہو گئے اور قلم کاپی سنبھال کر اپنے ذہن کو ایک جانب مرکوز کیا اور اشعار سوچنے لگے۔ ہمارے کمرے میں خاموشی کا دور دورہ تھا۔ ہم اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامے ہوئے بیٹھے تھے اور اپنی پوری کوشش کر رہے تھے کہ کوئی بھی شعر یاد آجائے تاکہ ہم دوسروں پر رعب ڈال سکیں کہ ہمارا شمار بھی شعرا میں ہو گیا ہے۔ اسی طرح پورا ایک گھنٹہ گزر گیا اور ہم

کچھ بھی نہ لکھ سکے۔ اس دوران ہمارے ذہن میں کچھ کچھ اشعار آئے ضرور تھے، لیکن وہ ادھورے ادھورے سے تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ فوراً ہی ذہن سے نکل بھی گئے تھے، لیکن ہم بھی ڈٹے رہے ضدی جو تھے اور یہ سوچ لیا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے ہم کوئی نہ کوئی شعر لکھ کر ہی دم لیں گے۔ کچھ دیر بعد ہمیں بھوک لگنے لگی حال آنکہ ابھی کھانے کا کوئی وقت نہیں تھا، لیکن ہم نے ٹھان لیا تھا کہ جب تک اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ کر لیں گے اپنی جگہ سے نہ اُٹھیں گے۔

ہم پھر سوچ کے سمندر میں غرق ہو گئے اسی طرح مزید ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اس دوران ہم نے کئی دفعہ مٹھی بھر بھر بادام منھ کی نذر کیے۔ تھوڑی دیر بعد ہمیں کچھ کچھ اشعار یاد آنے لگے۔ ہم نے اپنے ذہن کو بالکل ایک جانب مرکوز کر دیا اور خوب ذہن پر زور ڈالنے لگے۔ یہاں تک کہ اشعار ہمارے ذہن سے منتقل ہو کر منھ تک آ گئے اور اب یہ حالت تھی کہ ہمارا منھ اب شعر اُگلے تب اُگلے۔ ایسے میں امّی جان کی کان پھاڑ دینے والی آواز سنائی دی "ارے پھر شعر و شاعری کرنے بیٹھ گیا کیا؟ آتا جاتا کچھ نہیں ہے اور چلے ہیں صاحب زادے شعر و شاعری کرنے"۔ یہ کہتے ہوئے امی جان ہمارے کمرے میں داخل ہوئیں اور ایک لمبی چوڑی فہرست ہمیں تھمائی اور ساتھ ہی ایک سو کا نوٹ بھی دیا اور فرمانے لگیں کہ جاؤ اور دُکان سے اس فہرست کے مطابق سامان خرید لاؤ۔ یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئیں۔ ہمارے تو تن بدن میں آگ سی لگ گئی تھی، لیکن ہم کر بھی کیا سکتے تھے۔ بس خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ کیوں کہ یہ امی جان کا حکم تھا اور اس سے انکار کرنا گویا شامتِ اعمال تھی۔ ہمارے تو ذہن میں اس وقت جو کچھ بھی تھا وہ امّی جان کی آواز سُن کر ایسا غائب ہوا کہ کسی بھی چیز کا کہیں نام و نشان نہ ملا اور آخر کار بادل ناخواستہ ہم بازار کی جانب چل دیے اور راستے بھر ان اشعار کو سوچتے رہے جو نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ ہم اسی سوچ میں غرق تھے کہ نہ جانے کب بازار آ گیا حال آنکہ وہ بہت دُور تھا۔ ہم نے دُکان تک پہنچ کر وہ فہرست دُکان دار کے حوالے کر دی تاکہ وہ اس کے مطابق ہمیں سامان دے دے۔ چوں کہ ہمیں کچھ وقت مل گیا تھا لہٰذا ہم پھر سوچوں کے سمندر میں غوطے کھانے لگے۔ کچھ دیر بعد دُکان دار کی تیز آواز نے ہمیں چونکا دیا۔ "جناب چیزیں تیار ہیں"۔ ہم نے سو کا نوٹ ان کی نذر کر دیا اور بقیہ پیسے اور سامان لے کر گھر کی جانب چل دیے۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ گھر سے بازار تک کا فاصلہ خاصا طویل ہے لہٰذا اب گھر پہنچنے تک ہم پھر سوچوں میں غرق رہے اور پھر گھر پہنچنے کے بعد چیزیں امی جان کے حوالے کر دیں اور کمرے میں آ کر کرسی پر بیٹھ گئے اور دوبارہ ذہن پر زور دینے لگے، لیکن وہ کم بخت شعر ایسا ذہن سے غائب ہوا

کہ یاد ہی نہیں آیا۔ آخر کار ہم نے نئے سرے سے سوچوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ابھی سوچنا شروع ہی کیا تھا کہ امی جان کی آواز سنائی دی۔ "الٰہی! اب کیا مصیبت آ گئی" یہ کہتے ہوئے ہم امّی جان کی جانب بھاگے۔ جو کہ اس وقت باورچی خانے سے ہمارے کمرے ہی کی طرف آ رہی تھیں۔ زبردست قسم کی ٹکر ہوتے ہوتے رہ گئی لہٰذا خیر ہوئی ورنہ نہ جانے کیا سے کیا ہو جاتا۔ خیر جب ہمارا اور امّی جان کا سامنا ہوا تو امّی جان ہم پہ برہم ہو گئیں کہ نکمّے یہ تم کیا اُٹھا لائے ہو۔ میں نے یہ سب چیزیں لانے کے لیے تھوڑا ہی کہا تھا۔ ہم تو چکرا گئے کہ الٰہی یہ کیا ہو گیا۔ پھر ہمیں یاد آیا کہ جب ہم نے دُکان دار کے ہاتھوں میں فہرست تھمائی تھی تو برابر کھڑے صاحب نے بھی ایک فہرست دُکان دار کے حوالے کی تھی اور ہم نے ان کا سامان یہ سمجھ کر لے لیا کہ وہ ہمارا ہے اور یہ غلطی صرف اور صرف اس لیے ہوئی تھی کہ ہم راستے بھر اشعار سوچنے میں لگے رہے تھے۔ ہم پھر تھیلا سنبھالے بازار کی جانب چل دیے اور راستے بھر بالکل بھی اپنے ذہن کو پریشان نہیں کیا، کیوں کہ اس سے پہلے کی سزا ہم بھگت رہے تھے۔ جب ہم دُکان پر پہنچے تو وہاں وہی صاحب دُکان دار سے بحث میں مصروف تھے۔ وہ صاحب بھی اسی سامان کے چکّر میں تشریف لائے تھے اور ہم نے انھیں دیکھتے ہی پہچان لیا۔ ہم نے انھیں سمجھایا کہ ہم دونوں کا سامان تبدیل ہو گیا ہے تو وہ خاموش ہو گئے۔ پھر ہم دونوں نے ایک دوسرے سے اپنے اپنے سامان بدلے اور پھر حساب کے بعد ہم گھر کی جانب چل دیے اور وہ صاحب بھی چل دیے۔ اب چوں کہ ہمیں اطمینان حاصل ہو گیا تھا لہٰذا ہم پھر اپنی دُھن میں مگن ہو گئے۔ اور مسلسل اپنے ذہن پر زور دیتے رہے۔ آج ہمیں شدّت سے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ ہمارا ذہن بالکل بے کار ہو گیا ہے کیوں کہ اوّل تو ہمارے ذہن میں کوئی بات آتی نہیں تھی۔ آتی تو پھر فوراً ہی غائب ہو جاتی۔ بہر حال مسلسل اپنے اس نامعقول ذہن سے جنگ کرتے رہے اور نہ جانے کب ہمارا پاؤں قریب پڑے پتھر سے ٹکرایا اور ہم منھ کے بل زمین پہ آ رہے اور ساتھ ہی تمام سامان ہمارے ہاتھ سے چھوٹ کر سامنے کھلے گڑھے میں جا گرا۔ ہمیں پہلی بار "ایم۔ سی" کی کارکردگی پر شدید غصّہ آیا۔ ہمیں چوٹ تو بہت آئی، لیکن ہم نے اس کی بالکل بھی پروا نہ کی۔ ہمیں تو فکر اس بات کی تھی کہ سامان تو سارا گٹر میں گر گیا اب ہم کیا کریں۔ امّی جان کے پیسے اتنے نہیں بچے تھے کہ ہم دوبارہ وہی چیزیں خرید سکتے۔ ناچار ہو کر ہم نے اپنے جیب خرچ کے پیسوں سے جو اس وقت ہمارے پاس موجود تھے اپنا مطلوبہ سامان خریدا۔ اور بہت غم زدہ سے اپنی جیب کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اور اپنی چوٹوں کو سہلاتے ہوئے گھر کی جانب چل دیے۔ گھر پہنچ کر امی جان کو سامان پکڑایا اور آئندہ کے لیے شاعری سے توبہ کر لی۔

حمد

مرسلہ: عبدالقیوم، قاضی احمد

آؤ آؤ دل بہلاؤ
حمد خدا کی گاتے جاؤ
جس نے دنیا پیدا کی ہے
جس نے ہم کو روٹی دی ہے
پانی، مٹی، آگ، ہوا
کھیل ہے اس کی قدرت کا
سورج دن کو رات کو تارے
کیسے اچھے کیسے پیارے
آؤ آؤ خوش ہو جاؤ
گیت اسی کی حمد کے گاؤ

نعت

مرسلہ: عائشہ سحر علی، کراچی

نبیوں کے سردار محمدؐ
دو جگ کے مختار محمدؐ
رحمتِ عالم مظہرِ قدرت
خالق کے دلدار محمدؐ
مونس ہیں جبریل تمہارے
عالی منصب دار محمدؐ
بے شک ہو تم مہرِ نبوتؐ
ہر دل کے غم خوار محمدؐ
شاہِ عرب ہو، ساقیِ کوثر
سب کے پالن ہار محمدؐ
تیرا کہاں در چھوڑ کے جائیں
ہم سب کے سرکار محمدؐ

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

دل عزیز احمد صدیقی، کراچی

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ رشتے میں حضورؐ کے ماموں تھے۔ عمر میں بیس سال چھوٹے تھے، مگر نہایت سمجھ دار، جوشیلے اور بہادر تھے۔ ابھی آپؓ انیس برس کے جوان ہی تھے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین پھیلاتے دیکھا، اسلام کی تعلیمات دیتے سُنا۔ آپ حضور اکرمؐ کے

بارے میں اچھی طرح جانتے تھے کہ حضورؐ نہایت ہی نیک اور ایمان دار ہیں۔ نہ کسی سے لڑتے ہیں نہ کسی سے جھگڑتے ہیں، کم زوروں اور غریبوں کی مدد کرتے ہیں۔

پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کیا کہ اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کے سامنے سر جھکایا جائے، چاہے وہ کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ ہو۔ اللہ نے سب کچھ بنایا ہے وہی سب جہانوں کا مالک ہے۔ وہی سب چیزوں کا حاکم ہے۔ جو اللہ کی مرضی کے مطابق اس دنیا میں زندگی بسر کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوگا اور جنّت عطا کرے گا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہوگئے۔ اس وقت تک صرف پانچ چھے آدمی مسلمان ہوئے تھے۔ جب کفارِ مکّہ نے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا تو اللہ کے حکم سے حضورؐ نے صحابہ اکرمؓ کے ساتھ مدینے کی جانب ہجرت کی۔ اب جو کفارِ مکّہ نے سُنا کہ مسلمان مدینے میں رہنے لگے ہیں اور مسلمان اسلام کی دن رات تبلیغ میں مصروف ہیں اور وہاں پر بہت تیزی سے اسلام پھیل رہا ہے تو کفارِ مکّہ نے مسلمانوں پر چڑھائی کر دی۔ مسلمانوں اور کافروں میں بہت سخت جنگ ہوئی اور مسلمان بہت بہادری سے لڑے۔ حضرت سعدؓ جنگِ بدر میں بھی بڑی بہادری سے لڑے اور اس طرح تمام لڑائیوں میں آپ حضورؐ کے ہمراہ رہے اور ہر لڑائی میں ایسی بے جگری سے لڑے کہ حضورؐ ان سے خوش ہوگئے۔

کچھ عرصے بعد مسلمانوں نے ایران فتح کر لیا۔

حضرت عمر فاروقؓ اس کام یابی سے بڑے خوش ہوئے۔ حضرت سعدؓ کو اس علاقے کا گورنر بنا دیا گیا۔ حضرت سعدؓ نے ملک کا انتظام بھی بڑی ہوشیاری سے چلایا۔ جگہ جگہ چھاؤنیاں قائم کیں اور غیر مسلموں کو اتنا آرام ملا کہ اس سے قبل نصیب نہ ہوا تھا۔ ان لوگوں پر دینِ اسلام کا اتنا اثر ہوا کہ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ یہ صحیح ہے کہ "اسلام تلوار سے نہیں بلکہ کردار سے پھیلا ہے"۔

آپ کا دل بہت نرم تھا۔ زبان سے بُری بات کبھی نہیں نکالتے تھے۔

شاہ ولی اللہؒ

فدا حسین بٹ، کراچی

حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم کا نام شاہ عبدالرحیم تھا۔ ابتدائی تعلیم والدہ صاحبہ سے حاصل کی اور پھر عربی فارسی کی تعلیم بھی اپنے والد کے مدرسے سے حاصل کی۔ سترہ برس کی عمر میں وہ خود مدرسے میں مدرس کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ اس کے بعد حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوگئے اور دو سال مدینہ منورہ میں گزارے۔ وہاں بھی علم حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد ہندوستان واپس آگئے۔ شاہ ولی اللہ ایک عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے سیاست دان بھی تھے۔ دلّی میں مغل بادشاہوں کی سلطنت کا زوال شروع ہو چکا تھا اور مسلمانوں کو تباہی کا سامنا تھا۔ ہندو پورے

جنوبی ایشیا پر اپنی حکومت کے قیام کا خواب دیکھ رہے تھے۔ مغل سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے۔ مرہٹے بڑے طاقت ور ہو گئے تھے اور انھوں نے ملک کے ایک بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان حالات میں مسلمانوں کی تباہی لازمی تھی۔ شاہ صاحب نے ان حالات کو محسوس کر کے مسلمانوں کو آنے والے خطرے سے آگاہ کیا اور ان کو آپس میں اتحاد قائم کرنے کا مشورہ دیا، مگر مسلمان اتنے کم زور ہو چکے تھے کہ مرہٹوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت افغانستان میں احمد شاہ ابدالی کی حکومت تھی۔ شاہ ولی اللہ نے احمد شاہ ابدالی کو خط لکھا کہ فوج لے کر ہندوستان کے مسلمانوں کی مدد کے لیے آئے، اگر اس وقت اس نے مدد نہیں کی تو ہندوستان سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹ جائے گا، چناں چہ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۱ء میں ہندوستان پر حملہ کیا اور پانی پت کے میدان میں ایک بڑی جنگ ہوئی، جس میں مرہٹوں اور ہندوؤں کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ شاہ ولی اللہ نے بڑے نازک وقت میں مسلمانوں کی رہبری کی اور آنے والے خطروں سے آگاہ کیا۔ وہ ایک مخلص انسان تھے۔ ان کے دل میں مسلمانوں کی خدمت کا جذبہ بھرا ہوا تھا۔ شاہ صاحب نے بہت سی کتابیں لکھیں اور قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا۔

سخی اور فیاض

آصف اقبال، حیدر آباد

بعض لوگ بہت زیادہ اور موقع بے موقع خرچ کرتے ہیں۔ اُن کو فضول خرچ کہا جاتا ہے۔ بعض لوگ بہت کم خرچ کرتے ہیں ان کو کنجوس کہا جاتا ہے۔ بعض لوگ بہت خرچ کرتے ہیں، مگر موقع محل سے اپنے اوپر بھی خرچ کرتے ہیں اور دوسروں پر بھی۔ ایسے لوگوں کو فیاض اور سخی کہتے ہیں۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ان میں کون نیک اور اچھا ہے۔ سخی اور فیاض آدمی کو سب ہی پسند کرتے ہیں۔ فضول خرچ، خرچ تو کرتا ہے، مگر بے موقع۔ یہ طریقہ اچھا نہیں ہوتا۔ اس سے آدمی اپنی دولت بے مقصد صرف کر دیتا ہے اور جلد دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ توازن اور میانہ روی سب سے اچھی بات ہے۔ ہر کام میں اور ہر حالت میں توازن قائم رکھنے والے کام یاب ہوتے ہیں اور خوش رہتے ہیں۔

شناخت

رعنا گل، کراچی

آپ کون ہیں؟ یہ سوال عموماً لوگوں سے کیا جاتا ہے اور وہ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہم سندھی ہیں، ہم مہاجر ہیں اور ہم پنجابی ہیں۔ آج سب لوگ سندھی، پنجابی، بلوچی اور پٹھان وغیرہ کی اصطلاحوں میں بات کرتے ہیں۔ بے شک یہ اپنی جگہ وحدتیں ہیں، لیکن کیا ہم لوگ وہ سبق بھول گئے ہیں جو ہمیں آج سے تیرہ سو سال قبل سکھایا گیا تھا؟ آج سندھ میں کیا ہو رہا ہے؟ سندھی مہاجروں کے مخالف ہیں اور مہاجر سندھیوں کے۔ یہ لوگ اپنے ہی بھائیوں کے خون سے ہولی کھیلتے ہیں۔ پنجابی، سندھی، مہاجر الگ الگ نہیں

ہیں۔ یہ ہمارا ہی خون ہیں۔ ان کے خون کی رنگت اور تاثیر ایک ہے۔ ان کا سر ایک ہی سمت میں ایک ہی ہستی کے سامنے جھکتا ہے۔ ان کی پیشانی پر ایک ہی ہستی کے سجدے کے نشانات ہیں۔ وہ آسمانی صحیفہ ایک ہے جس کی روشنی میں ہمارے بزرگ ایک پرچم تلے اکٹھے ہوئے۔ ہماری منزل ایک ہے۔ قرآن اور رسول ایک ہیں اور جب اتنی ساری باتیں قدرِ مشترک ہوں تو ہم الگ الگ کیسے ہو سکتے ہیں؟ یاد رکھیں پاکستان میں رہنے والا ہر شخص صرف اور صرف پاکستانی ہے۔ آزادی کی جنگ ہمارے بزرگوں نے ساتھ لڑی تھی۔ اس وقت کوئی پٹھان اور سندھی نہ تھا۔ سب صرف اور صرف مسلمان تھے، جن کی امیدوں کا مرکز ایک تھا، جن کے دل میں ایک ہی چیز کی تڑپ تھی۔ آزادی کی تڑپ۔ الگ وطن حاصل کرنے کی تڑپ۔ آج ہم اللہ کے فضل سے وہ وطن حاصل کر چکے ہیں تو گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ منتشر ہو گئے ہیں۔ اپنے آپ کو پنجابی، مہاجر کہلانے لگے ہیں۔ کیا یہ وہی وطن ہے جس کا خواب شاعرِ مشرق نے دیکھا تھا۔ مختلف طبقوں میں بٹ کر ہم اپنی شناخت تک کھو بیٹھے ہیں اور جب کوئی قوم اپنی شناخت کھو بیٹھے اور اپنا ماضی بھول جائے تو تاریخ بھی اسے فراموش کر دیتی ہے۔ اس ملک کی بنیادیں لاکھوں کروڑوں شہیدوں کے خون سے رکھی گئی ہیں۔ تاریخ کے کتنے ہی طوفانوں سے گزر کر ہم نے آزادی حاصل کی ہے۔ اگر کسی بدنصیب قوم سے اس کی آزادی چھن جائے تو اس سے بڑھ کر بدنصیبی نہیں ہو سکتی۔ کاش ہم آزادی کی اہمیت اور اتحاد کی ضرورت کو محسوس کر سکیں۔ اگر ہم ایک ہو جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں مغلوب نہ کر سکے گی۔ آٹھ کروڑ مسلمانوں کی زندہ جاوید قوم مٹائی نہیں جا سکتی۔

یاد رکھیے، ہماری شناخت صرف پاکستان ہے۔ ہم مسلمان ہیں، اوّل و آخر مسلمان۔

دعا

مرسلہ: علی فراز، جہلم

اے خدا تُو ہے پالنے والا
کام سب کا نکالنے والا
اپنی رحمت سے مہربانی کر
رحمتیں اپنی جاودانی کر
ہم کو اپنی عنایتوں سے نواز
ہم ہیں تیری عنایتوں کے مجاز
میرا بیڑا کرم سے پار لگا
میرا آقا ہے تو مرا مولا
اے خدا دل میں خوف تیرا ہے
تیرگی میں تو ہی سویرا ہے

شہزادی اور چرواہا

ریما ناز

یہ کہانی قدیم زمانے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آسمان اور بادل ابھی پوری

طرح نہیں بنے تھے۔ آسمان کا بادشاہ ستارے بنا رہا تھا اور رات کے وقت اُنھیں آسمانوں میں ٹانکنے میں مصروف رہتا تھا۔ اس بادشاہ کی ایک جوان بیٹی تھی، جو انتہائی حسین تھی۔ اس کا نام تو کچھ اور تھا، لیکن سب اُسے بننے والی شہزادی کہہ کر پکارتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُسے بُنائی کا بہت شوق تھا۔ وہ سارا سارا دن اپنی کھڈی پر بیٹھی کپڑا بُنتی رہتی تھی۔ اس کا بُنا ہوا کپڑا اس قدر نفیس ہوتا تھا کہ پوری دنیا میں اس جیسا کوئی تیار نہیں کر سکتا تھا۔ یہ کپڑا نفیس ہونے کے ساتھ ساتھ اتنا مہین ہوتا تھا کہ اس میں سے ہوا با آسانی گزر سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آسمان کا بادشاہ اسے ستاروں کے ساتھ فلک پر سجا کر زمین کی طرف لٹکا دیتا تھا۔ فلک پر لٹکا ہوا وہی کپڑا ہے جسے ہم بادل، کُہر اور دُھند کے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔

آسمان کا بادشاہ اپنی بیٹی پر بڑا فخر کرتا تھا اور اس سے بہت خوش تھا، کیوں کہ وہ بہت خوب صورت کپڑا تیار کرتی تھی۔ بادشاہ یہ تو جانتا تھا کہ اس کی بیٹی بڑی محنت کر رہی ہے، لیکن اُس کو اس کا اندازہ نہیں تھا کہ اس کی محنت اس کی صحت پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ ایک دن بادشاہ اپنی بیٹی سے ملنے آیا تو وہ اس کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ شہزادی کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا اور وہ کم زور نظر آ رہی تھی۔ "تم بہت زیادہ محنت کر رہی ہو، مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم بیمار نہ پڑ جاؤ۔" اس نے آگے بڑھ کر شہزادی کو پیار کیا اور بولا، "کل تم سارا دن تفریح کرنا۔ آسمان پر بہت سے ستارے لگ چکے ہیں تم اُن سے کھیلنا، تمھارا دل بہل جائے گا، مگر ایک بات یاد رکھنا کھیل کر جلدی واپس آ جانا اور پھر میری مدد کرنا، ابھی مجھے مزید کُہر، دھند اور بادل درکار ہیں، تاکہ آسمان مکمل ہو جائے۔" شہزادی بہت خوش ہوئی کہ وہ ستاروں سے کھیلے گی۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ وہ آسمان پر بہنے والے چشمے کو پار کرے، جسے کہکشاں کہا جاتا ہے۔ وہ کئی روز سے اس چشمے کو پار کرنے کے بارے میں ارادہ کر رہی تھی، لیکن اسے وقت نہیں ملتا تھا۔ اب جب کہ اُس کے باپ نے اجازت دے دی تھی تو اس کا دل بلّیوں اُچھل رہا تھا، چناں چہ جیسے ہی صبح ہوئی وہ جلدی سے اُٹھی اور چشمے پر جانے کی تیاری کرنے لگی۔ اس نے اپنے سب سے اچھے کپڑے پہنے اور باپ کو خدا حافظ کہہ کر کہکشاں کی جانب چل پڑی۔ شہزادی نے وہاں جا کر دیکھا تو ایک حسین چشمہ بہہ رہا تھا اور پانی میں ستارے تیر رہے تھے۔ وہ کھڑی ہو کر لطف اندوز ہونے لگی۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ اس چشمے کے عین درمیان ایک حسین لڑکا کھڑا تھا۔ وہ اپنے دھیان میں گم تھا اور پانی میں اپنی گائے کو نہلا رہا تھا۔ شہزادی چشمے کے کنارے کھڑی لڑکے کو دیکھ رہی تھی کہ اُس نے بھی دیکھ لیا اور پوچھا، "ہیلو، تم کون ہو؟"

"میں ویگا ستارہ ہوں، لیکن ہر کوئی مجھے بُننے والی شہزادی کہتا ہے۔" اور میں آلٹیر ستارہ ہوں، لیکن تمام لوگ مجھے چرواہا کہتے ہیں، کیوں کہ میں آسمان کے بادشاہ

کی گائیوں کی نگرانی کرتا ہوں۔ میں کہکشاں کے دوسری طرف رہتا ہوں کیا تم میرے گھر نہیں آؤ گی؟ ہم دونوں مل کر کھیلیں گے۔"

"ٹھیک ہے میں تمہارے گھر چلوں گی۔" لڑکے نے شہزادی کو اپنی گائے پر بٹھا لیا۔ اس طرح دونوں گھر پہنچ گئے اور دونوں مختلف کھیل کھیلنے لگے اور یوں کھیلتے کھیلتے شہزادی بھول گئی کہ اسے واپس بھی جانا ہے اور اپنے باپ کا ہاتھ بٹانا ہے۔ دوسری طرف بادشاہ پریشان تھا کہ شہزادی ابھی تک نہیں لوٹی۔ اس نے اپنے پرندے میگپی کو بُلایا اور کہا کہ وہ کہیں سے بھی شہزادی کو ڈھونڈ کر لائے۔ پرندے نے کہا، "آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی میں ابھی جاتا ہوں۔" پرندے نے جواب دیا اور وہاں سے اُڑ گیا۔ وہ شہزادی کو تلاش کرتے کرتے وہیں پہنچ گیا جہاں وہ چرواہے کے ساتھ کھیل میں مصروف تھی۔

پرندے نے شہزادی کے پاس جا کر کہا، "شہزادی صاحبہ، فوراً چلیے بادشاہ نے آپ کو بُلایا ہے۔" مگر شہزادی اس وقت کھیل میں اس قدر مگن تھی کہ اُس نے پرندے کی بات سُنی ان سُنی کر دی۔ یہ دیکھ کر پرندہ واپس آ گیا اور کہا، "حضور، شہزادی چرواہے کے ساتھ کھیل میں اس قدر مگن ہے کہ اس نے میری بات بھی نہیں سُنی۔" یہ سُن کر بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور اس نے کہا کہ وہ شہزادی کو لینے خود جائے گا۔ چناں چہ وہ تھوڑی دیر میں شہزادی کو لے کر واپس آ گیا۔ اس نے شہزادی کو ڈانٹتے ہوئے کہا کہ "تم ایک بُری لڑکی ہو۔" پھر وہ اُسے سمجھاتے ہوئے بولا، "ذرا آسمان کی طرف دیکھو! ابھی تک مکمل نہیں ہوا۔ اس کے لیے ابھی مزید بادلوں، کُہر اور دُھند کی ضرورت ہے، مگر تم تو سارا دن جا کر کھیلتی رہیں۔" آخر میں اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا، "اب تم کو کھیلنے کے لیے کبھی چھٹی نہیں ملے گی۔ تم گھر میں رہو اور آسمان مکمل کرو۔" اب ہوا یہ کہ شہزادی بے چاری اپنے کمرے میں کھڑکی پر آ کر بیٹھ گئی۔ اب وہ اپنے آپ کو بہت اداس اور تنہا محسوس کر رہی تھی۔ اس لیے اس سے کام نہ ہو سکا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ چرواہے سے کبھی نہیں مل سکے گی۔ یہی سوچ سوچ کر وہ نڈھال ہوتی جا رہی تھی اور اُس سے کپڑا بُننے کا کام بالکل نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اکیلی بیٹھی روتی رہی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ دوسری طرف آسمان خالی ہو رہا تھا۔ نہ اُس پر بادل تھے نہ کُہر، نہ دُھند تھی۔ اسی کے ساتھ آسمان کا بادشاہ بھی پریشان تھا۔

جب وہ تنگ آ گیا تو شہزادی کے پاس گیا اور منّت کے لہجے میں بولا، "میری پیاری بیٹی، تمھیں ہر وقت اس طرح رونا نہیں چاہیے۔ تمھیں معلوم نہیں ہے کہ آسمان کو مکمل کرنے کے لیے مجھے بادلوں، کُہر اور دُھند کی کتنی ضرورت ہے۔" شہزادی نے کوئی جواب نہ دیا اور مسلسل روتی رہی۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کا دل پسیج گیا اور اس نے کہا، "اچھا اگر تم کپڑا بُننا شروع کر دو تو تم کو میں چرواہے لڑکے کے ساتھ کھیلنے کی اجازت دے دوں گا اور تم کو سال میں ایک دفعہ چھٹی دے دی جائے گی تاکہ تم اپنی مرضی سے کھیل سکو۔" جب بادشاہ نے یہ وعدہ کیا تو شہزادی کی خوشی کا

کوٹی ٹھکانہ رہا۔ اس نے اسی وقت کپڑا بُننا شروع کر دیا اور وہ پہلے سے بھی عمدہ کپڑا تیار کرنے لگی۔

اس کے بعد سے ہر سال ساتویں مہینے کی ساتویں رات آسمان کا بادشاہ اپنی بیٹی سے کیا ہوا وعدہ پورا کرتا ہے۔ میگپی پرندوں کا ایک غول شہزادی کو اپنے پروں پر بٹھا کر چرواہے لڑکے کے پاس لے جاتا ہے پھر دونوں سارا دن ساری رات کھیلتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہر سال جاپانی بچے "تاناباتا۔ ساما" یعنی ساتویں مہینے کی ساتویں رات کا تہوار مناتے ہیں۔ پورے جاپان میں ہر جگہ بچے اس رات یہ جان کر خوش ہوتے ہیں اور کھیلتے ہیں کہ آسمان پر ستاروں کی صورت میں شہزادی اور چرواہا اسی طرح کھیل رہے ہوں گے۔ چناں چہ جاپانی بچے زمین پر بانس کی شاخوں پر رنگین اور چمکیلے کاغذ کے ٹکڑے لگا کر انھیں سنوارتے اور سجاتے ہیں۔ پھر ان شاخوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے ہلاتے ہیں، تاکہ آسمان کے بادشاہ کو یاد دلائیں کہ اس کا وعدہ پورا کرنے کا وقت آگیا ہے۔

(جاپانی کہانی)

مکّار چوہا

شازیہ سعید مغل، کراچی

کسی جنگل میں بہت سے چوہے رہتے تھے۔ وہ سب مل جل کر رہتے تھے۔ دکھ درد میں ایک دوسرے کے کام آتے تھے۔ ان سب کا ایک سردار تھا۔ اس کا نام مکّار چوہا رکھا تھا۔ کیوں کہ وہ ہر کسی کے ساتھ مکّاری کرتا تھا اور دھوکے باز اور مغرور تھا۔ چوہے دن رات اس کے مرنے کی دعائیں مانگا کرتے تھے، کیوں کہ وہ ان چوہوں کے بچّوں کو اُٹھا کر لے آتا تھا اور ان کی چیزیں چھین لیتا تھا۔ وہ اسی قسم کی حرکتیں کر کے چوہوں کو تنگ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اس مکّار چوہے کی دُم پر دانہ نکل آیا۔ وہ اس کی پروا کیے بغیر اِدھر اُدھر مگن رہا۔ وہ دانہ بڑھتے بڑھتے مکمل پھوڑے میں تبدیل ہو گیا۔ پھوڑے کے باعث وہ نہ تو لیٹ سکتا تھا اور نہ آرام سے چل پھر سکتا تھا۔ چوہوں کے جنگل میں ایک حکیم چوہا بھی رہتا تھا۔ حکیم چوہے نے مکّار چوہے کا علاج کیا تو پھوڑا آہستہ آہستہ بھرنے لگا اور کچھ ہی دِنوں میں بالکل صحیح ہو گیا اور اس نے مکّاری کی زندگی ترک کر دی اور نیک زندگی اپنالی۔ وہ ان چوہوں کا شکر گزار تھا کہ جنھوں نے تکلیف کے وقت بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہر کسی کی مدد کریں، کیوں کہ برائی کا علاج بھلائی سے ہی ہوتا ہے۔

شہر کورنگی

سائرہ خانم نواب احمد

آج مجھے آنٹی کے ساتھ کورنگی جانے کا اتفاق ہوا۔ بس جب تک منزل پر پہنچی اس وقت تک جسم کے سارے پُرزے ڈھیلے ہو چکے تھے۔ خیر جب ہم بس سے اترے تو بدبو کا ایک زبردست جھونکا آیا۔ ہم نے گھبرا کر بائیں طرف دیکھا تو

بے ساختہ منہ پر رومال رکھ لیا۔ دائیں طرف دو کتے مرے ہوئے تھے۔ آگے بڑھے تو اس قدر کوڑا کرکٹ نظر آیا کہ بے ساختہ ایسا محسوس ہوا کہ میونسپل کے کوڑا خانے میں آگئے ہیں۔ کیا یہی ہمارا ایمان ہے۔ ہم جب خود یہ کرتے ہیں تو آنے والی نسلوں کو کیا دیں گے۔ صفائی نصف ایمان ہے تو بس میرے ہم وطن عزیزوں صفائی کو عزیز جانو اور ایمان کی حفاظت کرو۔

کراچی کی بسیں

آنسہ سائرہ میر

کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہاں کی کئی چیزیں تعریف کے لائق ہیں جس میں سب سے پہلا نمبر کراچی کی بسوں کا آتا ہے جو بین الاقوامی ہیں۔ آج تک کوئی ملک ایسا نمونہ پیش نہیں کر سکا۔

اس مختصر مضمون میں میں آپ کو کراچی کی چند بسوں کا حلیہ بتاتی ہوں یا یوں کہہ لیجیے کہ ان کی صحت کا راز بتاتی ہوں۔

ان کا جسم تو ٹھیک ہے، لیکن ان کی صورت یا ان کا حسین چہرہ دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جیسے انھوں نے کبھی منہ دھویا ہی نہیں ہے۔ پہلے ہی صورت اتنی خوب صورت ہے اوپر سے اشتہارات اس پر سونے پر سہاگا والا کام کرتے ہیں۔ سیاح ان کا چہرہ دیکھ کر آش آش کر اٹھتے ہیں، کیوں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید سکندرِ اعظم کے زمانے کی سواری سڑک پر نکل آئی ہے۔ اگر آپ کراچی کی بس میں گھس جائیں تو یقین کیجیے کہ آپ کو ایسا لگے گا کہ جیسے آپ کسی مرغی کے ڈربے میں جس میں درجن بھر چوزے ہوں گھس آئے ہیں اور آپ کو پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے کہ خدانخواستہ کسی موٹے شخص کے پاؤں پر آپ کا پاؤں نہ پڑ جائے، پھر آپ کی خبر نہیں ہوگی، کیوں کہ اس سے پہلے کہ ریفری میچ شروع ہونے کا اعلان کرے وہاں پر ایک طرح کی ریسلنگ شروع ہو جائے گی۔ ایک بات اور یاد آئی کہ آپ کو بس میں نہایت بلند آواز کی موسیقی بھی سنائی دے گی، جو آپ کے کانوں میں رس گھول رہی ہوگی، لیکن یہ رس اتنا میٹھا ہوگا کہ آپ کو اپنے سر پر پٹی باندھ کر بستر پر دراز ہونا پڑے گا۔ کراچی کی کوئی بھی بس ہو وہ سڑک پر ایسے چلے گی جیسے یہ سڑک اس کے باپ نے مرتے وقت اس کو جائداد کے طور پر دی ہو۔

کراچی کی بسوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ سب کی سب چلتی ہیں۔ صرف چلتی ہی نہیں بلکہ دوڑتی ہیں اور بے چارے مظلوم مسافروں کی جان سولی پر لٹکی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر ایک بات آپ نے میری سُن لی اور وہ یہ کہ جو ایک دفعہ بس میں گھس جانے کا ارادہ کرے وہ کسی ڈاکٹر سے فرسٹ ایڈ کا بکس ضرور مانگ کر اپنے ساتھ لے جائے، ورنہ پھر آپ جائیں اور آپ کا کام۔ آدھے مسافر بس میں ہوتے ہیں اور آدھے بس سے باہر۔ کئی مسافروں کا سر تو باقاعدہ بس کی چھت سے کشتی لڑ رہا ہوتا ہے۔

آخر میں ایک بات اور، جب آپ بس میں سوار ہونے لگیں تو ہمیں ضرور اطلاع دیجیے گا تاکہ ہم آپ کے لیے دُعا کرتے رہیں کہ خدا آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

ناشکرا

محمد جمیل قریشی، ڈگری

آبادی سے دُور ایک پھیلے ہوئے ریگستان کے درمیان ایک ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ ہے، جس کے چاروں طرف رسیلی کھجوروں والے بڑے بڑے درخت واقع ہیں۔ موسم گرما کی ایک چلچلاتی ہوئی دوپہر کو ایک مسافر اپنے تھکے ہوئے گھوڑے سے آرام کرنے کی غرض سے اُترا، اس نے بہت سی کھجوریں ایک پنیر کے ٹکڑے کے ساتھ کھائیں، چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا اور ایک درخت سے ٹیک لگا کر سو گیا۔ جب سورج آسمان کی نیلی اور خاموش راہوں سے سفر کرتا ہوا مغرب کی سمت ڈوبنے لگا تو اچانک ایک سیاہ زہریلا سانپ درخت کے تنے سے برآمد ہوا اور آہستہ آہستہ رینگتا ہوا مسافر کی طرف بڑھنے لگا، جو اپنے گردوپیش سے بے خبر میٹھی نیند سو رہا تھا۔ سانپ نے اس کے سرہانے پہنچ کر تمکنت سے اپنا پھن اوپر اٹھایا، اس کی دوشاخہ زبان باہر نکل آئی۔ اس کی آنکھوں میں خطرناک چمک پیدا ہوئی۔

بے چارا مسافر غفلت کی نیند سو رہا تھا اور اِدھر موت کا فرشتہ اپنے پَروں کو پھڑپھڑاتے ہوئے مچل رہا تھا۔ اِس نازک گھڑی میں اَن دیکھے خدا کی رحمت اُبھر آئی۔ سانپ کی تیز نظر قریب سے گزرتے ہوئے ایک شریر مینڈک پر پڑی، جو مسلسل شور مچا رہا تھا۔ سانپ کو شریر مینڈک پر بہت غصّہ آیا اور وہ اس کے پیچھے لپکا۔ مینڈک چشمے کی طرف جان بچانے کی غرض سے

بھاگا، یہاں تک کہ وہ سوئے ہوئے مسافر سے کافی دُور چلے گئے۔ مسافر اچانک جاگ گیا اور مینڈکوں کو بڑی گالی دی، جس کی وجہ سے اس کی نیند حرام ہو گئی تھی اور وہ موت ٹالنے والے خدا کی حمد کیے بغیر بڑبڑاتا ہوا گھوڑے پر سوار ہو کر ریگستان کے پُرپیچ راستوں پر تیزی کے ساتھ چل دیا۔ چشمے کے قریب بیٹھا ہوا ایک مسکین اور بلاؤ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ وہ اچانک بول اُٹھا:

"بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔"

سچا دوست

ساجد حسین، کراچی

ایک شخص کے تین دوست تھے۔ ایک دفعہ وہ بہت بیمار ہو گیا اور مرنے کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے اپنے ایک دوست سے پوچھا، "تم میری اس مشکل وقت میں کیا مدد کر سکتے ہو؟" اس نے جواب دیا، "پیارے دوست تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے ہر بُرے وقت میں تمہاری مدد کی ہے، لیکن افسوس کہ میرے پاس موت کا کوئی علاج نہیں۔"

اس شخص نے اپنے دوسرے دوست سے کہا، "کیا تم میری اس مشکل وقت میں کوئی مدد کر سکتے ہو؟" وہ بولا،

"میں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟ تمھارے مرنے کے بعد کفن دفن کا انتظام کر دوں گا اور قبر پر پھولوں کی چادر چڑھا دوں گا۔"

اس شخص نے اپنے تیسرے دوست سے پوچھا تو اس نے جواب دیا "تم فکر نہ کرو، میں موت کے بعد تمھارا ساتھ دوں گا اور تمھارے ساتھ قبر میں اتروں گا جب تم نکلو گے تو میں بھی باہر نکلوں گا۔"

اس شخص نے اپنے تیسرے دوست پر اعتماد کیا اور آرام سے مر گیا۔

آپ کو معلوم ہے کہ وہ تینوں دوست کون تھے؟ تو بچو! وہ مال، عیال اور اعمال تھے۔ ہم کو چاہیے کہ ہم مال و عیال کے بجائے اعمال پر نظر رکھیں۔

ایٹمی جنگ

عمران احمد خان، کراچی

پہلے زمانے میں جب دو ملکوں کے درمیان جنگ چھڑتی تو اُن کے لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے لڑتے تھے۔ لڑائی میں جو ہتھیار استعمال کیا کرتے تھے، ان میں تلواریں، تیر کمان، نیزے، گرز اور خنجر ہوتے تھے۔ اس کے بعد جب دنیا نے ترقی کی تو بندوقیں اور توپیں لڑائیوں میں استعمال ہونے لگیں۔ بندوقوں، رائفلوں، جنگی جہازوں اور راکٹوں کی نئی نئی بے شمار قسمیں ایجاد ہوئیں۔ اور لڑائیوں میں استعمال کی جانے لگیں۔ جیسے جیسے نئے ہتھیار ایجاد ہوتے گئے ویسے ویسے لڑائیوں میں جانی اور مالی نقصانات بھی بڑھتے گئے۔ آج سے پچاس سال پہلے سائنس دانوں نے ایک نہایت خطرناک بم ایجاد کیا جس کو ایٹم بم کہتے ہیں۔

۶۔ اگست ۱۹۴۵ء کا دن دنیا میں تباہی کا بدترین دن تھا، جب امریکا نے جاپان کے شہر ہیروشیما پر ایٹم بم برسایا۔ کچھ ہی دیر بعد پتا چلا کہ ہیروشیما جیسا عالی شان شہر راکھ کے ڈھیر میں بدل گیا۔ اس تباہی میں تقریباً ستر ہزار آدمی ہلاک ہوئے اور نوّے ہزار آدمی بری طرح جل گئے۔

امریکا نے تین دن بعد دوسرا ایٹم بم ناگاساکی پر برسایا۔ جس سے تقریباً پچاس ہزار آدمی ہلاک ہوئے اور بے شمار زخمی۔ شہر کا بڑا حصّہ مٹّی کے ڈھیر میں بدل گیا۔

یہ ایٹم بم ابتدائی دور کے تھے، مگر اب سائنس دانوں نے زیادہ قوّت والے ایٹم بم تیار کر لیے ہیں، جو ایک پل میں دنیا کے بڑے حصّے کو نیست و نابود کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ جب بھی ایٹمی جنگ ہوئی دنیا پل بھر میں تباہ و برباد ہو جائے گی اور انسان اپنے جس تمدّن اور ترقی پر فخر کرتا ہے، راکھ کے ڈھیر میں بدل جائے گی۔ خدا دنیا کو ایٹمی جنگ کی تباہی سے بچائے۔

جب محل بن گیا

نصرت نقوی، ڈیرہ غازی خان

ایک بادشاہ اپنی سلطنت کے غرور میں خدا کے

وجود سے انکار کرتا تھا۔ وزیر نے کارندوں کو حکم دیا کہ ایک خوب صورت محل تعمیر کیا جائے اور اس کے اطراف میں بہت سی روزوں باغیچہ بنا کر قسم قسم کے پھول اور درخت لگائے جائیں اور تعمیر کے بعد محل کو خوب آراستہ و پیراستہ کیا جائے۔ جب حکم کی تعمیل ہو گئی اور ہر چیز تیار ہو گئی تو ایک روز بادشاہ ٹہلتا ہوا اس محل کی طرف سے گزرا۔ محل اور اس کی سجاوٹ دیکھ کر حیران ہوا اور وزیر سے پوچھا، "یہ محل کس کا ہے اور اس کے بنانے والے انجینئر اور معمار کون ہیں؟" وزیر نے جواب دیا، "محل کا کوئی مالک نہیں اور نہ اسے کسی نے بنایا ہے، بلکہ یہ محل خود بہ خود تیار ہوا ہے۔"

بادشاہ وزیر پر ہنسا اور اس سے کہا، "میں تمھیں ایک عاقل اور دانا آدمی سمجھتا تھا، لیکن میں نے تمھیں سمجھنے میں غلطی کی، کیوں کہ تم تو عام آدمی سے بھی کم عقل اور نافہم ہو۔" وزیر نے پوچھا، "کیوں؟" بادشاہ نے کہا، "تم کہتے ہو کہ اس محل کو کسی نے نہیں بنایا بلکہ یہ خود بہ خود وجود میں آیا ہے۔"

وزیر نے جواب دیا، "جناب عالی، میں یہ تو نہیں کہتا کہ اس کا بنانے والا کوئی نہیں، بلکہ یہ کہتا ہوں کہ بنانے والی چیز طبعی ہوتی ہے اور یہ طبعی طور پر خود بہ خود وجود میں آیا ہے۔"

بادشاہ نے کہا، "کیا عقل یہ باور کر سکتی ہے۔ طبیعات جو عقل و شعور سے عاری ہے، ایسے عظیم الشان محل بنا سکے؟"

وزیر نے کہا، "پھر آپ کیوں کر وجودِ اللہ سے انکار کرتے ہیں، جو سارے جہان کا خالق و مالک ہے اگر طبعیات اس چھوٹے سے محل کو بنانے سے قاصر ہے تو یہ کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ دنیا اور اس کے پوشیدہ اسرار، زمین، چاند، سورج، ہوا، بارش، انسان اور حیوان وغیرہ بغیر خالق کے خود بہ خود وجود میں آجائیں؟"

یہ سُن کر بادشاہ اپنی غفلت سے چونک پڑا اور انجام کار اللہ کے وجود کا اقرار کیا اور وزیر کی اس بات سے بہت خوش ہوا۔

منا اور چوہا

مرسلہ: جمال الدین انجم انصاری، کراچی

ایک تھا چوہا چھوٹا سا
نام بھی اس کا منا تھا
اِک دن منا گھر سے نکلا
دانہ چگنے باغ میں آیا
منّے نے اِک کیڑا دیکھا
پتلا پتلا لمبا لمبا
منّے نے پھر غور سے دیکھا
کیڑے کو پھر منھ سے پکڑا
منّے نے پھر زور لگایا
کیڑا باہر کھنچتا آیا
باہر نکلا تو کیا دیکھا
اتنا موٹا تازہ چوہا

منے میاں پھر ڈر کر بھاگے
کبھی پیچھے اور کبھی آگے

اقوام متحدہ

محمد مبشر، لاہور

دوسری عالمی جنگ کے ہول ناک انجام سے سب کو یقین ہو گیا کہ اگر تیسری جنگ چھڑی تو انسان صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔ دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد دنیا کے چند بڑے ملکوں کے سیاست دانوں نے محسوس کیا کہ ایک ایسا عالمی ادارہ بنانا چاہیے جو آنے والی نسلوں کو جنگ کی تباہ کاریوں سے بچائے۔ اور بنیادی انسانی حقوق پر عمل کرتے ہوئے ان اصولوں کو فروغ دینے کی کوشش کرے۔

اس طرح اقوامِ متحدہ کے قیام کا تصور بہ تدریج پروان چڑھا۔ اگست ۱۹۴۱ء میں امریکا کے صدر روز ولٹ اور برطانیہ کے وزیرِ اعظم چرچل نے ایک اعلان میں اقوام متحدہ کے قیام کی ضرورت پر زور دیا۔ یہ اعلان بعد میں ایٹلانٹک چارٹر کے نام سے مشہور ہوا۔ یکم جنوری ۱۹۴۲ء کو ۲۶ قوموں نے اس چارٹر پر دستخط کیے۔ اس کے بعد ۲۱ دوسری قوموں نے بھی اس چارٹر سے وابستگی کا اعلان کیا۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں ماسکو میں چین، روس، فرانس، برطانیہ اور امریکا نے قیامِ امن کی خاطر ایک بین الاقوامی ادارہ قائم کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد اگست سے اکتوبر ۱۹۴۴ء تک ایک کانفرنس ہوئی، جس میں چین، برطانیہ، اور امریکا نے بین الاقوامی ادارے کے لیے ابتدائی تجاویز کا خاکہ پیش کیا۔

جون ۱۹۴۵ء میں امریکا کے شہر سان فرانسسکو میں ایک اور کانفرنس ہوئی، جس میں اقوامِ متحدہ کے چارٹر کو آخری شکل دی گئی۔ اس پر ۵۰ ممالک نے دستخط کیے اور آخر کار ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو اقوام متحدہ وجود میں آگئی۔ جس کے اغراض و مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ بین الاقوامی امن و سلامتی کا قیام۔
۲۔ قوموں کے درمیان دوستانہ تعلقات استوار کرنا۔
۳۔ دنیا سے غربت، جہالت اور بیماری کے خاتمے کے لیے مل جل کر کام کرنا۔
۴۔ ایک دوسرے کے حقوق اور آزادی کا احترام کرنا۔
۵۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے قوموں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے مرکزی کردار ادا کرنا۔

اقوام متحدہ نے اپنی تنظیم کو مختلف حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس کے بنیادی ادارے چھے ہیں:

(۱) جنرل اسمبلی (۲) تولیتی کونسل
(۳) سلامتی کونسل (۴) عالمی عدالت
(۵) اقتصادی اور معاشرتی کونسل
(۶) سیکریٹریٹ

اس کے ذیلی ادارے یہ ہیں:

(۱) عالمی ادارۂ صحت
(۲) بچّوں کا عالمی فنڈ

(۳) تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی ادارہ۔ یونیسکو

(۴) بین الاقوامی مالیاتی فنڈ

(۵) ادارہ خوراک و زراعت

(۶) عالمی بینک

اقوام متحدہ نے بنی نوع انسان کی قابلِ قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس نے عالم اسلام کو ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کر دیا ہے، جس پر مادی وسائل اور فوجی قوت کی تخصیص کے بغیر عام ممالک بین الاقوامی مسائل پر تبادلِ خیال کر سکتے ہیں۔ اس طرح قوموں کے درمیان جنگ و جدل کے خطرے کم ہو جاتے ہیں۔

اگر بعض مقاصد کے حصول میں اقوام متحدہ کامیاب نہیں ہوئی تو اس کی ذمے داری اقوام متحدہ کے بااثر ممبران پر عائد ہوتی ہے۔ اگر تمام ممبر ممالک صدقِ دل سے یہ فیصلہ کر لیں کہ وہ اقوام متحدہ کے چارٹر پر عمل کریں گے اور اس کو فعال ادارہ بنائیں گے تو اس کا وقار بلند ہو گا اور اس کی کامیابیوں کی فہرست طویل تر ہو جائے گی۔

اقوام متحدہ جن مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہوئی۔ وہ یہ ہیں:

(۱) انڈونیشیا میں حالات نازک ہوئے تو انجمن ہی کی کوششوں سے لڑائی ختم ہوئی اور انڈونیشیا میں جمہوریت قائم ہوئی۔

(۲) جنوبی اور شمالی کوریا کے درمیان جنگ چھڑی تو انجمن کی کوششوں سے جنوبی کوریا کو مناسب امداد دی گئی اور جنگ بندی کرائی گئی۔

(۳) نومبر ۱۹۵۲ء میں برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے مل کر مصر کے خلاف حملہ کیا تو اقوام متحدہ کی انجمن نے جنگ بندی کرائی اور حملہ آوروں سے علاقہ خالی کروایا۔

(۴) کانگو میں آزادی ملنے کے ساتھ ہی خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ انجمن ہی کی کوششوں سے یہ خانہ جنگی ختم ہوئی۔

(۵) ویت نام میں عالمی کش مکش کا خاتمہ ہوا۔

اقوام متحدہ کی انجمن جن کاموں میں ناکام ہوئی وہ یہ ہیں:

(۱) بھارت نے روس سے مل کر مشرقی پاکستان پر قبضہ کر لیا اور اسے بنگلہ دیش بنا دیا۔ انجمن کچھ نہ کر سکی۔

(۲) مسئلہ کشمیر پاکستان اور بھارت کا بنیادی متنازعہ فیہ مسئلہ ہے۔ انجمن اسے حل نہیں کر سکی۔

(۳) اسرائیل نے بیت المقدس اور دوسرے عرب علاقوں پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ انجمن اس قضیہ کو حل کرنے میں ناکام رہی۔

(۴) قبرص اور بارڈیا کے مسائل حل طلب ہیں، مگر انجمن کچھ نہ کر پائی۔

(۵) روس نے افغانستان میں فوجیں داخل کر رکھی ہیں اور آگ اور خون کا کھیل کھیلا جا رہا ہے، مگر انجمن ابھی تک یہ مسئلہ حل نہ کر سکی۔

ننھے قارئین لکھتے ہیں

نونہالوں کی پسند، ناپسند، تجویزیں، شکایتیں، مشورے

■ جب نونہال آتا ہے میں صرف یہی رسالہ لیتا ہوں۔ مجھے کوئی اور رسالہ پسند نہیں آتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس کے علاوہ اور اتنا اچھا رسالہ ہے ہی نہیں۔ نامہ محمود خٹک، ڈیرہ غازی خاں

■ فروری کا نونہال بہت پسند آیا۔ اس دفعہ سب کہانیاں اچھی تھیں۔ راشد فرید، ڈیرہ غازی خاں

■ نونہال ایک دل چسپ سائنسی اور معلوماتی رسالہ ہے اور اس کی تعریف کرنے کے لیے لفظوں کو تلاش کرنا پڑتا ہے۔ مجھے وہ الفاظ نہیں مل رہے جن سے اس خوب صورت رسالے کی تعریف کی جائے۔ ڈاکٹر یوسف خاں، میرپور خاص

■ یہ بات مستند ہے کہ نونہال ملک بھر کا معیاری اور بہترین رسالہ ہے۔ اسی لیے جب نونہال خرید کر لاتا ہوں تو میں اپنے محلے کے دوستوں کو بھی پڑھنے کے لیے دیتا ہوں۔ (آٹھ دوستوں کے نام لکھے ہیں) محمد شکیل عالم، کراچی

> آپ کا یہ جذبہ قدر کرنے اور فخر کرنے کے قابل ہے۔ سچ پوچھیے تو ہمیں آپ کی اس بات پر بہت خوشی ہوئی۔

■ نونہال پڑھا پسند آیا۔ اس میں خاص طور پر خیال کے پھول، بچوں سے سلوک (نظم) سلطان کی سائیکل اور آخر میں نونہال ادیب قابلِ تعریف ہیں۔

شوکت علی خان زادہ راجپوت، سکرنڈ

■ تازہ شمارہ پسند آیا۔ خاص طور پر سفید مٹی دایم۔ الیاس) وہ میرا شریف (سید رشید الدین) سلطان کی سائیکل (میرزا ادیب) اور کیسی تھکن (ادارہ) بہت پسند آئی۔

عامر شمیم المصطفےٰ آباد، لاہور

■ فروری کا چمکتا دمکتا نونہال مجھے بہت پسند آیا ہے۔ یہ رسالہ نہ صرف اپنی اچھی باتوں سے ہمارا دل بہلاتا ہے بلکہ ہماری معلومات میں اضافہ بھی کرتا ہے۔ انیقہ مسرور، کراچی

■ فروری کے نونہال میں خاص طور پر سرورق بہت خوب صورت تھا۔ کہانیوں میں خیال کے پھول، دم دار ستارہ اور تحفے پسند آئے۔ یاسمین ایوب خاں، بھر یا سٹی

■ نونہال میں شرکت کا یہ میرا پہلا موقع ہے۔ نونہال میں چھے مہینوں سے پڑھ رہا ہوں۔ دوسرے نونہالوں کو دیکھ کر میرا بھی جی چاہتا ہے کہ اس کے لیے کچھ لکھوں۔

امین اشرف علی، کراچی

■ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح بہترین تھا۔ اس مرتبہ اخبارِ نونہال میں دل چسپ خبریں پڑھنے کو ملیں۔ انعام یافتہ کہانیاں بہت پسند آئیں۔ راشدہ منصورہ، نواب شاہ

■ میں رسالہ بہت عرصے سے اپنے گھر دیکھ رہا ہوں اور پڑھ بھی رہا ہوں لیکن کبھی اس کی محفل میں شرکت نہیں کی۔ پہلی بار شرکت کر رہا ہوں۔ الٰہی بخش ساجد، گوادر

> خوش آمدید! اگر آپ زیرِ تعلیم ہیں تو پہلے اپنی پڑھائی پر توجہ دیجیے۔ کچھ وقت کچھ لکھیے، مثلاً آپ نونہال بھائیوں کی معلومات کے لیے "گوادر کی سیر" ہی لکھ دیجیے۔

■ نونہال کی تمام کہانیاں اچھی تھیں، کیا ہی اچھا ہو اگر آپ ہر ماہ ایک تاریخی کہانی دیا کریں۔

ریحانہ درخشاں عبدالحق شاہ، لاہور

■ جاگو جگاؤ اس دفعہ کافی شرمندہ کر گیا، کیوں کہ ہم

ہر کام میں اپنی مرضی چلاتے ہیں اور ہر کام خدا کی مرضی کے خلاف کرتے ہیں۔ محمد خالد رانا، کراچی

☐ جنوری ۱۹۸۶ء کے نونہال ادیب میں رانا جمیل اختر (سرگودھا) نے جو دعا لکھی تھی وہ چوتھی جماعت کی اردو کی کتاب سے نقل کی ہے۔ فرزانہ عبدالجبار، کراچی

☐ فروری میں "تحفے" میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ہمیں مکمل یقین آگیا ہے کہ آپ لوگ ہر خط کو کھولتے ہیں اور کسی بھی خط کو نظر انداز نہیں کرتے۔

وحیدہ عالم اعجاز، کراچی

☐ اس ماہ کے نونہال میں سفید مٹی، دم دار ستارہ، سلطان کی سائکل، وہ میرا شربت اور جانیں بچانے والا ہوا باز پسند آئیں۔ مصطفٰے حیدر علی، کراچی

☐ کیا نونہال میں صرف انھی نونہالوں کی تحریر چھپتی ہے، جن کے پاس سفارش ہے۔ اگر یہ بات درست نہیں تو آج تک میری کوئی تحریر کیوں نہیں چھپی.... آپ ہرگز یہ نہ کہیے کہ میری تحریریں آپ تک نہیں پہنچیں کیوں کہ میں نے معلومات عامہ ۲۳۱ کا جواب اسی لفافے میں بھیجا تھا جو چھپ چکا ہے۔ کہکشاں ترنم، کراچی

☐ میں آپ کو بڑا پریشان ہو کر خط بھیج رہا ہوں۔ میں نے ایک لطیفہ بھیجا تھا، مگر اب تک وہ شائع ہی نہیں ہوا۔ میری آپ سے کوئی دشمنی تو نہیں۔ طارق ایوب عاصی

> ہمدرد نونہال میں تحریر چھپوانے کے لیے نہ تو سفارش چلتی ہے نہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ تحریر بھیجنے والا نونہال کہاں کا ہے۔ جس کی تحریر اچھی ہوتی ہے اُسے چُن کر منتخب تحریروں کے ساتھ رکھ دیا جاتا ہے۔ جب اس کا نمبر آتا ہے اسے رسالے میں شامل کر لیا جاتا ہے۔

> جو نونہال یہ چاہتے ہیں کہ ان کی ہر تحریر چھپتی چلی جائے، وہ رسالے کو بور بنانا چاہتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ تمام نونہال ایسی بات کو ناپسند کریں گے۔

☐ فروری کا نونہال سورج کی طرح چمکتا دمکتا جلوہ افروز ہوا۔ برکاتی انکل کا کالم "پہلی بات" غائب تھا۔ کس وجہ سے؟

اسمٰعیل چاند، گوادر

☐ میری ایک تجویز ہے اور وہ یہ کہ آپ نونہال میں نوعمر ادیبوں کو موقع دیں تاکہ ان کی صلاحیتیں نکھر سکیں۔

محمد رفیق زاہد، گوادر

> اس پر پہلے سے عمل ہو رہا ہے۔ "نونہال ادیب" کے لیے ۱۸ صفحے اس کے لیے مقرر ہیں جن میں تقریباً بیس نونہالوں کی تحریریں ہر ماہ چھپتی ہیں۔

☐ میں نونہال پانچ سال سے پڑھ رہا ہوں۔ اس کو میرے بہن بھائی اور امی ابو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔

جاوید شاہد، کراچی

☐ نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ سلمان علی، کراچی

☐ مجھے ہمدرد انسائکلو پیڈیا میں سائنسی باتیں بے حد پسند ہیں۔ عبدالسلام قریشی، ڈگری

☐ فروری کے شمارے کی ہر کہانی مختصر اور دل چسپ تھی۔ جس کالم نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ تحفہ تھا۔

غزالہ منیر شیخ غزل، لاڑکانہ

☐ میں ہمدرد نونہال کا پرانا قاری ہوں.... اس پرچے کی جتنی بھی تعریف کی جائے واقعی کم ہے۔ میں ایک تجویز آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ معلومات عامہ پر صحیح جوابات دینے والوں کو انعام دیا جائے۔

ارشد محمود، مقام نامعلوم

□ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ ہر ماہ دس پندرہ بچوں کو انعامات کے ذریعہ سے حوصلہ افزائی کریں۔

محمد ظفر اللہ ضیا، کمالیہ

علم کبھی اس طرح حاصل نہیں ہو سکتا کہ امی آپ مجھے ایک کون کھلا دیں تو میں سبق یاد کروں گا۔ ابو مجھے کریم رول لے دیں تب میں سوال حل کروں گا۔ علم تو بغیر کسی لالچ کے سچی لگن سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ آپ کو توفیق دے اور آپ اپنی قوم کی عظیم شخصیتوں مثلاً سر سید احمد خان، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا شبلی، مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبال، قائد اعظم محمد علی جناح کی زندگی کے حالات پڑھیں تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ انھوں نے علم حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ کیا تھا۔

□ رسالہ ہمدرد نونہال میں ایک صفحہ جاگو جگاؤ ہے جس کو پڑھ کر اس کے اندر کے جواہر کھل کر باہر آ جاتے ہیں۔

سید خالق شفیق، کراچی

□ ہمیشہ کی طرح فروری کا شمارہ ہماری معلومات میں اضافے کے لیے اپنے اندر علم کے خزانے سمیٹے ہیں۔

سید کاظم رضا رضوی، کراچی

□ جاگو جگاؤ رسالے کی جان ہے۔ کہانیوں میں سفید مٹی، سلطان کی سائکل، وہ میرا شربت، پیالہ اور انعامی کہانیاں پسند آئیں۔ محمد آصف رضا، سیال کوٹ

□ ہمدرد نونہال میں دو سال سے پڑھ رہا ہوں۔ ویسے تو اس کی کوئی کہانی، نظم یا لطیفہ گھٹیا نہیں، لیکن مجھے سفید مٹی، وہ میرا شربت اور نظم نغمۂ امن نے کچھ زیادہ مسرور کیا ہے۔ محمد ریاض شفیع، ہارون آباد

□ جاگو جگاؤ نے بہت متاثر کیا۔ سفید مٹی، سلطان کی سائکل، وہ میرا شربت، اچھی تھیں۔ احمد، کراچی

□ ہمدرد نونہال ایک شان دار رسالہ ہے جس کا کوئی ثانی نہیں۔ وارث علی، کراچی

□ میں ہمدرد نونہال ہر ماہ خرید کر پڑھتا ہوں۔ اس کی حقیقتاً تعریف کی جائے کم ہے۔

محمد صدیق، کھلابٹ ٹاؤن شپ

□ فروری کا شمارہ بہت اچھا تھا۔

سید وزیر حسین شاہ، فیروز پور میرس

□ ہر مضمون قابلِ داد تھا خاص طور پر دم دار ستارے کے بارے میں پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔

ندیم احمد خاں، سکرنڈ

□ تینوں انعامی کہانیاں واقعی اس قابل تھیں کہ انھیں انعام کا مستحق قرار دیا جائے۔ بزم ہمدرد نونہال کا پانچواں ماہانہ جلسہ بھی بہت ہی پسند آیا۔

پرکاش کمار کا چھیلا، شہداد کوٹ

□ میں پیارے نونہال کا عرصہ دراز سے قاری ہوں۔ بہت سی کہانیاں آپ کو ارسال کی ہیں اور ہر ماہ باقاعدگی سے آپ کو خط لکھتا ہوں۔

سید غلام عباس شاہ ہمدرد، ہمدانی، چاندنی

ہر ماہ خط لکھنے کا شکریہ۔ کس قسم کی تحریریں چھاپی جاتی ہیں اور کس ترتیب سے چھاپی جاتی ہیں، ان باتوں کا جواب اوپر ایک باکس میں دے دیا گیا ہے۔

□ کہانیاں اور لطیفے سب معیاری تھیں۔ نونہال ادیب میں "غرور" پسند آئی، لیکن "ریلوے اسٹیشن کا ایک منظر" (محمد مہوش راوی) درسی اردو کمپوزیشن مع گرامر (مصنف غلام جیلانی مخدوم) سے نقل شدہ ہے۔ فیصل محمود ٹیپو، فرقان ہاشمین، کراچی

□ نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ گزشتہ چار سال سے پڑھ رہا ہوں۔ عبدالرحمٰن، کراچی

□ سرورق اچھا لگا۔ جاگو جگاؤ پسند آیا۔ کیسی تھکن، وہ میرا شربت، سلطان کی سائکل اچھی تھیں۔

عظمیٰ شکور، اسلام آباد

□ ٹائٹل آپنی مثال آپ تھا۔ کہانیاں سبق آموز تھیں۔

احمد مرتضیٰ، ہری پور

□ فروری کا ہمدرد نونہال بہت اچھا لگا۔ خاص طور پر لطیفے۔ عائشہ آفتاب، کراچی

□ اس دفعہ کہانیوں میں سفید مٹی، وہ میرا شربت پسند آئیں۔ لطیفے پرانے تھے۔ یاسر شمیم، لاہور

□ دم دار ستارہ (ندیم یوسف) خوب تھا جسے پڑھ کر ہماری معلومات میں اضافہ ہوا۔ محمد صابر زاہد، کراچی

□ سرورق لاجواب تھا۔ صفحہ پلٹتے ہی جاگو جگاؤ پر نظر پڑی۔ جناب حکیم محمد سعید صاحب بڑی محنت سے جاگو جگاؤ لکھتے ہیں۔ کہانیاں بہت پسند آئیں۔

ثمینہ اقبال، کراچی

□ گزشتہ ایک سال سے ہمدرد نونہال پڑھ رہی ہوں اور ہر مہینے اس کا بے چینی سے انتظار کرتی ہوں۔

سلمیٰ کنول، کراچی

□ اس شمارے کا ہمدرد انسائکلوپیڈیا اور طب کی روشنی کافی اچھی تھیں۔ ریاض احمد انصاری، کراچی

□ فروری کا شمارہ بے حد دلچسپ اور معلوماتی تھا۔ پہلی بات جناب برکاتی صاحب ہر مہینے لکھا کریں۔

سید مشتاق احمد شاہ باہو، نصیر آباد

□ فروری کے رسالے میں یہ بات پڑھ کر انتہائی خوشی ہوئی کہ بزم ہمدرد نونہال کو دوسرے شہروں میں منعقد کرنے کے بارے میں سوچا جا رہا ہے۔

شبانہ خان، صدف علیم، نازیہ صفیر احمد، مقام نامعلوم

□ جاگو جگاؤ تو ہمدرد نونہال کا دل و جان ہے۔ میں اس پر عمل کر رہا ہوں۔ وقار احمد، تربیلہ

□ اس بار تمام کہانیاں اور نظمیں مزے دار تھیں۔

سید علی حیدر جعفری، لاڑکانہ

□ فروری کا شمارہ اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ سرورق بہت اچھا تھا۔ براہِ مہربانی یہ بتائیے کہ سفرنامہ دو مسافر دو ملک کب شائع ہو رہا ہے؟

اعجاز احمد راشد، ڈیرہ اسماعیل خان

ان شاء اللہ اس سال شائع ہو جائے گی۔

□ میں ہمدرد نونہال بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ فروری کا شمارہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ خاص کر حکیم صاحب کا جاگو جگاؤ۔ نواز حسین، مردان

□ اس شمارے میں خاص طور پر "جانیں بچانے والا ہوا باز" اور سلطان کی سائکل بہت پسند آئیں۔ سعدیہ سعید، سکھر

□ اس دفعہ نونہال بہت اچھا تھا۔ تمام کہانیاں، نظمیں اور خاص طور پر سرورق اچھا تھا۔

رب نواز ندیم، ڈیرہ مراد جمالی

□ معلومات عامہ میں ایک ناانصافی دیکھنے میں آئی۔ وہ یہ کہ ایک ایسا سوال تھا کہ جو محض کراچی والوں کو برتری دلانے کے لیے پوچھا گیا تھا، کیوں کہ یہ سوال کسی قسم کا کوئی علمی فائدہ نہیں دے سکتا۔ (سوال یہ ہے: کیا کلفٹن کراچی کی بندرگاہ ہے؟) مہر رب نواز، ٹک بونگہ چھیل

آپ کی بات میں وزن ہے۔ آیندہ ایسی باتوں کا خیال رکھا جائے گا۔

□ فروری کا چٹ پٹا اور کھٹا میٹھا نونہال بہت دل پسند اور دل رُبا تھا۔ شبانہ خاں، صدف علیم، نسرین صاحب خاں، میر پور خاص

□ اس ماہ کا نونہال بہت اچھا اور مزے دار تھا۔

شہناز ظفر اقبال، فرحانہ خاں، میر پور خاص

□ ہم حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ یہ رسالہ میرے ہی نہیں بلکہ سب کے خیال میں بہترین رسالہ ہے۔ ریحانہ صدیقی، میر پور خاص

□ میں بزم نونہال میں پہلی بار شرکت کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ مجھے اپنی پیاری بزم میں شریک کر لیں گے۔

محمد طاہر نقاش، جہلم

□ اس شمارے کی کہانیاں پسند آئیں۔

محمد اعظم علی، کراچی

□ شمارہ فروری کی تمام کہانیاں اچھی تھیں۔

سیف اللہ خالد، عابد اقبال ذیشان، پیلان میانوالی

□ میرا خط ہمدرد نونہال میں کیوں نہیں چھپتا۔ کیا میں اس کا حق دار نہیں ہوں؟ میرے خیال میں یہ رسالہ صرف کراچی میں رہنے والوں کا ہے۔ سید عبدالوہاب، چمن

> ہمدرد نونہال کا اصل مقصد نونہالوں کے لیے ایسا ادب پیش کرنا ہے جس سے ان میں علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو، نیکی اور سچائی، انصاف اور ہمدردی جرأت اور بہادری، ٹھنڈے دل سے سوچنے کی عادت اور نئی نئی چیزیں ایجاد کرنے کی صفت پیدا ہو، چناں چہ ہم توقع کرتے ہیں کہ آپ اور آپ جیسے تمام نونہال ہر ماہ بلند سے بلند تر ہوتے جائیں گے اور وہ تحریریں بھیجیں گے جس میں ایسی عمدہ، مفید اور دل چسپ بات ہو کہ جو کسی کے کہے بغیر خود ہی اپنے آپ کو چھپوائے۔

□ نظم جھوٹا بہانہ بہت اچھی تھی۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔ اس بار نونہال ادیب میں صرف ایک نظم تھی۔

محمد امجد، بہاول پور

□ فروری کا شمارہ دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔

محمد نجم الحق، کراچی

□ مجھے اس شمارے میں سفید مٹی اور جانیں بچانے والا ہواباز پسند آئی ہیں۔ کاشف عزیز، کراچی

□ تحفے ہم سب کو پسند آئے۔ جھوٹا بہانہ (نظم) بہت اچھی تھی۔ کہانی سلطان کی سائکل معیاری لگی۔ وہ میرا شربت بھی اچھی لگی۔ نور محمد، محمد سلیم لودھی، خیر پور میرس

□ فروری کے شمارے میں خاص طور پر سفید مٹی، سلطان کی سائکل، جاگو جگاؤ اور لطیفے پسند آئے۔

ذکیہ محمد صدیق، کراچی

□ اس دفعہ دم دار ستارہ، جانیں بچانے والا ہواباز، اور انسائکلو پیڈیا بہت پسند آیا۔ فضل محمود، کراچی

□ فروری کا پرچہ باوجود امتحانوں کے اور امی کی ڈانٹ کے پڑھا۔ وہ تو شکر ہے کہ ہمارا پرچہ کینسل (ملتوی) ہو گیا ورنہ تو کبھی پڑھ ہی نہ سکتا۔ مسعود نبی خاں، کراچی

□ آپ سے عرض کروں کہ آپ رسالے میں کچھ تبدیلیاں لائیں، نئے کالم رکھیں، کالموں کے عنوان تبدیل کریں ورنہ نونہال یکسانیت کا شکار ہو جائے گا۔

محمد رفیق زاہد، محمد صدیق، گوادر

> وقتاً فوقتاً ضرورت کے مطابق ہمدرد نونہال میں تبدیلیاں لائی جاتی ہیں مثلاً "تحفے" نیا کالم ہے اور "ننھے قارئین لکھتے ہیں" نیا عنوان ہے۔ "بزم ہمدرد نونہال" بھی نئی چیز ہے۔

□ فروری کا ٹائٹیل جاذب نظر تھا، لیکن تحفے اور لطیفوں کا بُرا حال تھا۔ گھسے پٹے لطیفے سارے نونہال کا مزہ کرکرا کر دیتے ہیں بالکل ایسے ہی جیسے بریانی میں کنکر آجائے۔

سید کاظم حسین برنی، کراچی

> آپ اسی شمارے میں دوسرے نونہالوں کی رائے پڑھ کر خود ہی فیصلہ کرلیں کہ کتنے نونہال آپ کے ہم نوا ہیں۔

□ اس بار ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ خاص طور پر جاگو جگاؤ، سفید مٹی، دم دار ستارہ، سلطان کی سائکل، کیسی تھکن اور جابیں بجانے والا ہوا باز بہت ہی زیادہ متاثر کن مضامین تھے۔ علاوہ ازیں بچوں سے سلوک اور نغمۂ امن بہت ہی پیاری نظمیں تھیں۔ لطائف بھی اچھے اور نئے تھے۔ محمد اشرف ناز، اجنیانوالہ

□ جاگو جگاؤ بے حد اچھا تھا۔ کہانیوں میں سفید مٹی اور جابیں بجانے والا ہوا باز معیاری ہیں۔ لطیفے بھی نئے ہیں۔

محمد ندیم حنیف، اسلام آباد

□ انعامی کہانیاں پسند آئیں۔ اس کے علاوہ لطیفے بھی اچھے تھے۔ یوں سمجھیے کہ پورا رسالہ ہی اچھا تھا۔ عبدالمجید، کراچی

□ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ آنکھوں کی روشنی تھا۔

شکیل احمد خان زادہ، ٹنڈو الہ یار

□ ہمدرد نونہال میں ایک کمی محسوس کی جا رہی ہے اور وہ ہے سلسلے وار کہانی۔ بہت ہی جلد اپریل ہی میں شروع کر دیں۔

جاوید ممتاز خان زادہ، نواب شاہ

> آپ نے ہمارے دل کی بات پکڑلی۔ ہم خود بھی اسی فکر میں ہیں۔ ان شاء اللہ آیندہ کسی ماہ سے ایک اچھی سلسلے وار کہانی شروع کریں گے۔

□ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ انعامی کہانیاں بھی پسند آئیں۔ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اپنی جگہ آپ تھا۔ لطیفے پرانے تھے۔

محمد سعید عباس، کراچی

□ فروری کا پرچہ بے حد پسند آیا۔ کہانیوں میں سفید مٹی، سلطان کی سائکل، وہ میرا شربت اور پیالہ پسند آئیں۔

سید امتیاز حسین، کراچی

□ بہترین کہانی پیالہ تھی۔ نظم جھوٹا بہانہ بھی پسند آئی۔

محمد معظم شاداب صدیقی، کراچی

□ مجھے آپ سے یہ شکوہ ہے کہ آپ حمد باری تعالیٰ اور نعت رسولؐ (نونہال ادیب میں) نہیں چھاپ رہے ہیں۔

داؤد فرمان احمد، ہارون آباد

> جب بھی کوئی اچھی لکھی ہوئی حمد اور نعت ہاتھ آگئی، چھاپ دی جائے گی۔

□ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ جاگو جگاؤ نے دل پر گہرے اثرات چھوڑے۔ مجھے ایک سوال پوچھنا ہے کہ میرے نام لبنیٰ کے معنی کیا ہیں اور سعدیہ کے بھی۔ سعدیہ محسن، لبنیٰ علی، کراچی

> عربی زبان سے آئے ہوئے ناموں کی ڈکشنریوں میں تشریح نہیں ملتی۔ تاہم قیاس سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح دودھ (لبن) پاکیزہ، شیریں اور مفید غذا ہے، اسی پر اعتبار کرتے ہوئے لبنیٰ کے معنی عمدہ، شیریں اور مفید کے ہوں گے اور سعدیہ سے مراد ہے مبارک، نیک بخت۔ مردوں کے نام میں سعد آتا ہے۔

□ پورا کا پورا پرچہ تعریف کے لائق تھا۔

مسرت ناز، خانیوال

> جگہ کی کمی کے باعث ان نونہالوں کے نام دیے جا رہے ہیں۔

کراچی:۔ رئیس احمد قدیر، رختاج دریا خان، اسلم الرحمٰن، شریف الرحمٰن، خلیل احمد ہوت، عمران حسین خان، الطاف احمد خان، فرزانہ فوزیہ، محمد جعفر، خالدہ پروین، فوزیہ ناز۔ نواب شاہ:۔ ممتاز خان۔ لاڑکانہ:۔ سید علی رہبر زیدی۔ گھوٹکی:۔ محمد علی شاہین۔ حیدرآباد:۔ محمد راشد عبدالغفار، آصف عالم، خورشید عالم، خانزادہ محمد عامر، شمیم شازیہ۔ بیپلان:۔ مقبول احمد۔ تربت:۔ عبدالرؤف بلوچ مجلد۔ روہڑی:۔ امداد علی رایو۔ کوہاٹ:۔ سید سلیمان۔

معلومات عامہ ۲۳۸ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جارہا ہے، معلومات عامہ کے جوابات اور تصویریں بھیجنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی جارہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویر کیوں شائع نہیں کی گئی، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے جن کی عمر اچھی ہو گئی ہے یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاء اللہ جوان معلوم ہوتے ہیں ان کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بڑا انعام۔

۱۔ عید کی نماز میں عام نمازوں سے ۶ تکبیریں زائد واجب ہیں۔

۲۔ مرزا اسد اللہ خان غالب "غالب" سے پہلے "اسد" تخلص کرتے تھے۔

۳۔ بادشاہ جہانگیر کا بیٹا جو خود بھی بادشاہ بنا اس کا نام شاہ جہاں تھا جس نے تاج محل تعمیر کرایا تھا۔

۴۔ خلجی خاندان کا بانی جلال الدین فیروز تھا۔

۵۔ شارلیمن فرانس کا بادشاہ اور بہت بڑا فاتح تھا۔

۶۔ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔

۷۔ مصر کے سب سے پہلے مسلمان حاکم حضرت عمر بن العاصؓ تھے۔

۸۔ قائد اعظم محمد علی جناح بیرسٹری کا امتحان ۱۸۹۶ء میں پاس کر کے ہندوستان واپس آئے تھے۔

۹۔ آل انڈیا مسلم لیگ ۳۰۔ دسمبر ۱۹۰۶ء میں قائم ہوئی تھی۔

۱۰۔ کلفٹن کراچی کی بندرگاہ نہیں ہے بلکہ ساحلی تفریح گاہ ہے۔

۱۱۔ "نواب اعظم یار جنگ بہادر" مولوی چراغ علی کا خطاب تھا۔

۱۲۔ ورجل قدیم رومی کا رزمیہ شاعر تھا۔ رزمیہ شاعری وہ ہوتی ہے جس میں کسی قوم کے کسی ایک بہادر یا کئی بہادروں کے واقعات اور کارنامے بیان کیے جاتے ہیں۔

بارہ صحیح جوابات

افتخار احمد، کراچی

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

توقیر احسن

ثوبیہ مسعود

عرفان احمد خان

خواجہ مہین احمد

خواجہ مجیب احمد

خواجہ مدین احمد

خالد اقبال صدیقی

مشتاق رحمت اللہ

نواب شاہ

محمد عاطف شیخ

انیقہ زرین شیخ

محمد عدنان شیخ

سانگھڑ

محمد ابراہیم خلجی

شہزادہ سفری بابو

بستی آڈھوجہ

عبدالقادر شاہ

شہزادہ ملک فقیر محمد سفری

راول پنڈی

غزالہ رُخ

فاطمہ لطیف

ہری پور

سعید الرحمٰن

روح اللہ، فیصل آباد

جمشید احمد گاد، خیرپور میرس

غزالہ سرفراز، حیدر آباد

فرخ ایوب، ایبٹ آباد

شفیق احمد میمن، لاڑکانہ

شکیل احمد، حرود خیرا بجنسی

غلام مرتضیٰ غوری، ملتان

اطہر اُسامہ، میانوالی

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

نائلہ سرفراز، حیدر آباد | ابراہیم منصوری، کراچی | محمد فہیم، کراچی | محمد انور خانزادہ، حیدر آباد | محمد سلیم خیرالدین، اسلام آباد

محمد ریاض الدین، کراچی | محمد ارمان حسین، کراچی | انتظار نبی، ساماروہ | نسیم الدین صدیقی، کراچی | سید ثاقب رضا جعفری، کراچی

ندیم احمد غوری، اردھڑی | سید ندیم یوسف، کراچی | الطاف احمد خان، کراچی | امتیاز احمد خان، کراچی | بابر خانزادہ، حیدر آباد

محمد صدیق، کراچی | طاہر عبدالعزیز، کراچی | محمد ذیشان ایوب، کراچی | محمد ظفر ایوب، کراچی | محمد اشرف ایوب، کراچی

محمد اظہر ایوب، کراچی | محمد سعید خان، ملتان | محمد نوید خان، ملتان | خانزادہ محمد عامر، حیدر آباد | لطیف حیدر خاصخیلی، حیدر آباد

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

صائم علی خان قادری	رفعت سیما	ظہیر احمد فضل
شمشیر خاں	عامر عزیزہ	شاہینہ ناز
جمال قادر		

نوشاد انور
نشاط انور
تبسم ناز
محمد علی بیگ
مظہر علی بیگ
شاہد اقبال شاہد
آنسہ شازیہ رفعت

محمد اشعر حسن
محمد سرور اقبال
محمد حیدر ایوب
محمد سہیل ایوب
محمد اعجاز الحق
رفیق پلیجو
محمد سلطان

نادل بلوچ

خیر پور میرس

منیر احمد صدیقی
توقیر محمد صدیقی
سید ندیم رضا زیدی
فیاض احمد سومرو
قدیر محمد صدیقی

الطاف اللہ شیخ
سید وزیر حسین شاہ
شائستہ شیخ
شہزادہ ملک خدا بخش، بستی ادھوجہ
محسن رجب علی، نواب شاہ
ریاض الدین منصوری، سانگھڑ
سید احمد زبیر، حیدر آباد

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

عقیل احمد، کراچی

سید محمد وجیہ الدین، کراچی

شاہ رُخ ظفر، کراچی

رضی الدین خان، کراچی

محمد رفیق بلوچ، کراچی

عابد حسین صدیقی، خیر پور میرس

خالد حسین صدیقی، خیر پور میرس

صابر حسین نگری، کراچی

محمد علی بیگ، کراچی

نائمہ نور العین، کراچی

احمد پلیجو، کراچی

منظور الحسن انصاری، کراچی

جمال اشرف، کراچی

سہیل اقبال میمن، سانگھڑ

محمد ساجد، کراچی

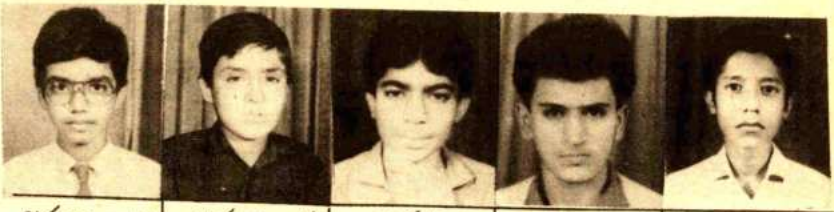

امتیاز احمد، کراچی | عبدالقادر قاسم، کراچی | تاج محمد، کراچی | آصف خان، کراچی | عمران احمد خان، کراچی

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

نعمان ادریس
ندیم ادریس
کمال اشرف
محمد ناصر معین
عزیز احمد
سید مبشر احمد قادری
عطیہ پاشا تیموری
عتیق الرحمٰن
رئیس احمد قدیر
چن زیب عباسی
ارجمند کریم
مرتضیٰ طاہر علی پاریکھ
محمد نجم الحق
طلحت، انجم، ثروت
غزالہ قیوم
محمد مظہر الحق
محمد مظہر الحق
محمد فہیم
سید اویس علی
سہیل احمد قریشی
سید فرید احمد سومرو
سید شعیر احمد
عرفان احمد عباسی
صائمہ ممتاز
عثمان امیر غوری
حسنہ امیر غوری
عزیزہ الرحمٰن
عالیہ امیر غوری
ریحان جمیل
سید امتیاز حسین
مسرت امیر غوری
ریشماں امیر غوری
شازیہ اشتیاق خان
عاصم منور
کامران شہزاد

گوجرانوالہ

عبدالرحمٰن
منزہ صابر
عبدالخالق
نادیہ ریاست
سہیرا اسلم

سانگھڑ

محمد سلیم مین
نادر ناصر اعظم خان
پروین ساجد

حیدرآباد

آصف حسین بھٹی
رضوانہ بھٹی
محمد عثمان علی
فرخ ریحان مجید
محمد شہباز علی
سہیل اختر خاں
نواب فرخ اصغر خانزادہ، ٹنڈو جام
حسن جواد سومرو، خیرپور میرس
فراز پاشا سومرو، خیرپور میرس
عاجز عبدالرحمٰن رند، سانگھڑ
اعجاز احمد شیخ، سکھر
عالیہ نیاز، سکھر
نوشین، سکھر
محمد طاہر آرائیں، سنجھورو
شاہد یعقوب، اسلام آباد
خالد کریم، لیبی مکران
محمد یامین مغل، سنجھورو
ادریس مبارک آرائیں، سکھر
راؤ محمد فرمان احمد خان، بہاول نگر
عالیہ سرور قاضی، جام شورو کالونی
مہر رب نواز لک، سرگودھا

ہمدرد
پیلو ٹوتھ پیسٹ

ٹوتھ پیسٹوں کی طویل فہرست میں اِس نئے نام کا اضافہ کیوں؟

اس لیے کہ صرف اسی میں
پیلو کے معجزانہ خواص شامل ہیں

پیلو، دانتوں کی مکمل صفائی اور مسوڑھوں کی صحت کے لیے مشرق میں صدیوں سے متعارف ہے۔

طویل تحقیق اور مسلسل تجربات کے بعد، اب جدید سائنس نے بھی حفظ دنداں کے لیے اس کے معجزانہ اثرات کو تسلیم کرلیا ہے۔ چوں کہ کسی دوسرے ٹوتھ پیسٹ میں پیلو شامل نہیں اس لیے پیلو فارمولے کے مطابق ایک نئے ٹوتھ پیسٹ کی ضرورت ناگزیر تھی جو ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ نے پوری کردی۔

ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ دانتوں کو صاف اور مسوڑھوں کو مضبوط کرتا ہے اور امراضِ دہن سے محفوظ رکھتا ہے۔

— صحتِ اسنان — صحتِ انسان —

ہمدرد
پیلو ٹوتھ پیسٹ

فلورائیڈ کے ساتھ

پیلو کے اوصاف — مسوڑھے مضبوط، دانت صاف

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

Move on up to the bigger taste !

Move on up to AB

AB The winning name in biscuits

Interflow - AB - 1